دستورِ اُردو

اُردو نثر کے تصنیفی و تالیفی کارناموں اور روزمرّہ کے اُن
اغلاط کی اصلاح و تحقیق جو تقریر و تحریر کے طول و عرض پر
حاوی ہیں۔ اور زبان و قلم کی ہر سعی کو معیارِ فصاحت سے
گرا دیتے ہیں

از
احسان دانش

مکتبۂ دانش ــــ مزنگ لاہور

اُردو نثر کے تصنیفی و تالیفی کارناموں اور روزمرّہ کے اُن اغلاط کی اِصلاح و تحقیق جو تقریر و تحریر کے طول و عرض پر حاوی ہیں اور زبان و قلم کی ہر سعی کو معیارِ فصاحت سے گرا دیتے ہیں!

○

احسان دانش

مکتبہ دانش مزنگ لاہور

کتب ماخذ

دریائے لطافت	سید انشاء اللہ خاں
کیفیہ	پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی
ضروری المبتدی فارسی	از مولوی سیف اللہ صاحب
علم اللسان	مولوی سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ
گنجینۂ تحقیق	سید محمد احمد صاحب بیخود موہانی مرحوم
اصلاح ادب	جناب غلام حیدر چشتی
اختلاف اللسان	از وجاہت جھنجھانوی مرحوم
زباندانی	فضل الٰہی عارف

"اصول لغت" مطبوعہ آل انڈیا ایجوکیشنل لٹریری بک سوسائیٹی

"دستور فصاحت" سید واحد علی یکتا لکھنوی

کتابی اقتباسات کے علاوہ وقتاً فوقتاً میں نے مندرجہ ذیل حضرات کی گفتگو اور تبادلہ خیالات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ حضرت مولانا تاجور مرحوم۔ مولانا عبدالمجید سالک۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔ حضرت نوح ناروی۔ جناب جوش ملسیانی۔ پروفیسر صوفی تبسم۔ پروفیسر محمد فیوض الرحمان عثمانی۔ پروفیسر طاہر فاروقی۔ حضرت مجنوں گورکھپوری۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ امیر الدین قدوائی ایڈوکیٹ۔ پروفیسر آل احمد سرور۔ رشید احمد صدیقی

باب الکتاب

ہمارے عزیز دوست احسان دانش سلمہم اللہ تعالےٰ نے دستورِ اُردو کے نام سے ایک مجموعہ مرتب فرمایا ہے جس میں اُن کوتاہیوں کی اصلاح فرمائی ہے جو ہماری روزمرہ کی بول چال اور مجلسی گفتگو میں پائی جاتی ہیں۔ اور جو نہ صرف عوام بلکہ خواص اور اہل علم کے یہاں بھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جاتیں۔ بندہ ہیچمدان نے کتاب موصوف کے اکثر مقامات کو بغور دیکھا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ عزیز موصوف نے اپنی خداداد فراست ذہنی سے محاورات زبان کے ہر گوشہ پر گہری نظر ڈالی ہے۔ اور اپنے قیاس و تخیل ہی سے نہیں بلکہ اصول و قواعد کی روشنی میں صحیح و تصحیح کا امتیاز اور فصیح و غیر فصیح کا فرق نمایاں کر دکھایا ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ چاروں طرف سے اُردو کی ترویج و اشاعت کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور اُردو کو ہر لحاظ سے بام عروج پر پہنچانے کی کوششیں جاری ہیں میرے خیال میں ممدوح کی یہ قابل قدر تالیف اس مبارک نصب العین کی تکمیل کے مرادف ہے۔ اور اپنے افادی پہلو کے لحاظ سے نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے توقع ہے۔ کہ اردو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔ اور عزیز احسان دانش کے گہرے مطالعے اور دقتِ نظری کی داد دیں گے۔ فقط

محمد فیوض الرحمن عثمانی

پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور

۸ر اپریل سنہ ۱۹۵۱ء

دیباچہ

میں سنہ ۴۷ء سنہ ۴۸ء سنہ ۴۹ء تین سال ادیب عالم کے پرچے کا ممتحن رہا ہوں اس سے مجھے احساس ہوا۔ کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ جو مضمون لکھنا جانتے ہیں۔ اور جن کے یہاں غلطی کا کم امکان ہے۔ ورنہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعلیمی اداروں میں سرے ہی سے یہ چیز نہیں بتائی جاتی۔

نہ املا صحیح ہے۔ نہ انشاء نہ زبان درست نہ خیال، یونیورسٹی سے کاپیوں میں ایک بے ربط الفاظ کا انبار آجاتا ہے۔ جس میں شاذ ہی مضمون سے الفاظ کی مطابقت ہوتی ہے۔ آزاد خیالات کا قیود و قواعد سے پاک ایک سیلاب ہوتا ہے۔ کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔

اس ناقابلیتی میں طالب علموں کا قصور نہیں کیونکہ نصاب تعلیم سے قطع نظر اب تک کوئی ایسی کتاب چھپی ہی نہیں جو نثر کے اغلاط کی طرف توجہ دلائے۔ حالانکہ اس قسم کی اصلاحی کوشش تعمیری اقدام کے لحاظ سے بلند مقام رکھتی ہے۔

یہی خیال تھا۔ جس نے میرے مطالعہ کی یادداشتوں کا یہ مواد یکجا کرا دیا۔

مضمون نگار کے لئے دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک خیالات دوسرے الفاظ بعض اوقات جب خیالات بلند ہوتے ہیں۔ تو الفاظ نہیں ملتے اور بعض دفعہ الفاظ کی بہتات ہوتی ہے۔ تو معمولی خیالات دستیاب ہوتے ہیں۔

بہت کم ایسا ہوتا ہے۔ کہ خیالات کے ساتھ الفاظ بھی مطابق و موزوں ہوں۔

خیالات اور الفاظ کو سمونے کے لئے یہ خیال ضروری ہے۔ کہ تحریر و تقریر میں فصیح الفاظ بلند معانی کے حامل ہوں اور خشک سے خشک مضمون شگفتگی اختیار کر لے۔

مطالعہ کا اصول یہ ہے۔ کہ کتاب یا مضمون میں سے جو بات، خیال یا فقرہ پسند آئے۔ اس پر نشان لگا یا جائے۔ اور ایک دفعہ مضمون کو سرسری طور پر پڑھنے کے بعد دوبارہ اس نیت سے پڑھا جائے۔ کہ یہی خیال یا یہی بات کسی اور اچھے طریقے سے بھی ادا ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ اور خیال کیلئے فضا محدود تو نہیں ہو گئی۔

اگر یہ ارادہ عمل میں آجائے۔ تو فوراً اپنے انداز میں ڈھال لیا جائے۔ اور حسب منشاء نہ ڈھل سکے تو مایوس نہ ہو جائے۔ بلکہ مشق کرتا رہے۔ رفتہ رفتہ یہی عادت اختصار کو تفصیل اور تفصیل کو اختصار تک لے آتی ہے۔

اسی طرح مطالعہ کرنے سے دماغ خیالات سے پر اور حافظہ الفاظ سے بھرپور ہو جاتا ہے۔ ہر وقت الفاظ صفیں باندھے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ اُدھر دماغ نے ایک خیال تخلیق کیا۔ ادھر حافظے نے الفاظ کی آوازوں سے اس کی تصویر کھینچ دی۔ مطالعہ کرنے میں عموماً لوگ یہ غلطی کرتے ہیں۔ کہ جب خیالات کا ہجوم دیکھتے ہیں۔ تو مزے میں پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یا صرف اپنی ہی

معلومات کے محدود الفاظ میں اُسے ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے مطالعہ میں کم اور تحریر میں زیادہ وقت صرف ہونے کے علاوہ دماغ میں الفاظ کا ذخیرہ کم رہ جاتا ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ اگر ایک خیال خاطر خواہ الفاظ میں نہ ڈھل سکے تو خیال کو محفوظ کر لیا جائے مشہور و معروف مصنفین کی تصانیف زیر مطالعہ رہیں۔ تاکہ الفاظ اور خیالات ساتھ ساتھ اپنا اثر چھوڑتے جائیں۔ بلند مصنفین کی کتب میں نے اس لئے کہا ہے۔ کہ بعض مصنفین ایسے ہیں۔ کہ ان کے پاس خیالات تو ہیں۔ مگر الفاظ نہیں جس سے بہترین قسم کے خیالات معمولی الفاظ کے باعث اپنی قیمت سے عاری رہتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ الفاظ کا بہترین ذخیرہ اُن کے قبضے میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر بلند خیالی نہیں۔ اور مضمون جب زرق برق الفاظ کی پشواز اتار دیتا ہے۔ تو نہایت زار و نحیف اور مدقوق و مسلول خیالات برآمد ہوتے ہیں۔

بعض عربی فارسی کے منشی اپنے علم کے غرہ میں اپنے بلند خیالات کو مغلق الفاظ کی جھیل میں پھینک کر ڈبو دیتے ہیں۔ اور جب کبھی دقت کی دھوپ سے الفاظ کا دریا اترتا ہے۔ تو ان کے جگمگاتے ہوئے خیال دھندلے دھندلے منظر سے اپنی قیمت بتاتے ہیں۔

اسی طرح بعض صاحب اپنی مخصوص ٹکسال کے زعم میں اچھے سے اچھے خیالات کو زبانِ بازاری کی طرح سوقیانہ الفاظ کا محتاج سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ قلعہ معلّے کی زبان واقعی اردو زبان ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن بیگمات کی زبان کو ہم مستند قرار دیتے ہیں۔ وہ علمی طور پر بھی اپنا مقام رکھتی ہو۔ چنانچہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں۔ جو قلعۂ معلّے سے باہر نہیں آئے مثلاً لفظ "چھان بین" کی جگہ قلعۂ معلّے میں "چھان بنان" چلا کنیزوں باندیوں اور غلاموں کی زبان سے گزر کر باہر بھی آیا۔ مگر

عام لوگوں میں رائج نہ ہو سکا۔

حاصل کلام یہ کہ مضمون نگار کے لئے نہ صرف علمی الفاظ سرمایہ بن سکتے ہیں۔ اور نہ صرف روزمرہ اور ٹکسال، بلکہ جو نفوذ ٹکسال سے اوانہ ہو وہ علمی تراکیب سے اور جو علمی تراکیب سے نکلتا ہوا ہو۔ وہ روزمرہ سے محفوظ کر لیا جائے۔ نہ ٹوٹے پھوٹے اور میلے کچیلے الفاظ اور قیمتی خیالات کے اظہار کو مضمون نگاری کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ قیمتی الفاظ میں پست اور بودے خیالات کا اظہار تصنیف کہلاتا ہے

مشہور انشاء پردازوں کے شاہکار پڑھتے وقت یہ خیال ضرور رہے کہ مصنف نے کس بات کو کس طریق سے کہہ کر اہم بنایا ہے۔ اور کس مسئلہ کو کس انداز سے بیان کر کے بے قیمت کر دیا۔

الفاظ کا محلّ استعمال

یہاں الفاظ کو محل اور موقع سے استعمال کرنا تحریر کے حسن کو دوبالا کر سکتا ہے۔ وہیں بے محل استعمال خوبیوں پر پانی بھی پھیر دیتا ہے اس لئے جہاں تک ہو الفاظ کے صحیح استعمال کو ہاتھ سے نہ دیا جائے موجودہ دور میں کئی مشہور ادیب ایسے ہیں۔ جو دوسروں کے یہاں خوبصورت الفاظ حسین ترکیبیں دیکھتے ہیں۔ فوراً ٹپک پڑتی ہے۔ اور اپنی تحریروں میں موقع بے موقع ان کے استعمال کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کا ہر فقرہ مصنف کا غماز ہے۔ اور ہر مضمون کی روح اپنے نفانفس اور ماخذ ہی نہیں بنا دیتی۔ بلکہ مضمون نگار کے علمی طول و عرض پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس قسم کے آدمی کبھی اچھّے انشا پرداز نہیں ہو سکتے۔ جو مضمون نگار بات سے بات اور خیال سے خیال پیدا کرتے اور الفاظ سازی کا ملکہ رکھتے ہیں۔ یہ اُن کی ترقّی کی دلیل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زبان کے کئی ہزار الفاظ اس وقت تک پاکستان کی مطبوعہ تصنیف و تالیف میں نہیں کیونکہ پنجاب میں اب تک اظہار خیال کا ذریعہ کتابی اردو ہی رہی ہے۔
نہ جانے کس قدر الفاظ دہلی اور لکھنؤ سے سفر کر کے یہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ جن سے یہاں کی تصنیفات و تالیفات خالی ہیں۔ اردو کا ایسا لغت ابھی تک ناپید ہے۔ جو موجودہ زبان کے طول و عرض پر حاوی ہو۔ اب رہ گیا اہل زبان اور ان سے دریافت کرنے کا سوال تو "کچھ سونا کھوٹا کچھ سنار" کوئی اپنے علمی غرہ میں تہی دامن رہ گیا اور کوئی زبان کی اجارہ داری میں مفلس ہے۔

مضمون نگار کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اسے اپنے مذہب کے متعلق اس قدر معلومات ہوں کہ ضرورت کے وقت اس کے خاص خاص پہلوؤں پر ایسی روشنی ڈال سکے۔ کہ تاریخی دیواروں کے سائے تک روشن ہو جائیں۔

اس کے بعد دیگر مذاہب کے محاسن پر بھی نظر ڈالے۔ تاکہ دماغ میں تاریخی بلندیاں اور تنقیدی نشیب و فراز کی بہتات ہو جائے جو مضمون نگاری میں ستونوں سے کم نہیں۔

سیاسی اور عمرانی مطالعہ و مشاہدہ بھی صحافت میں ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور اس کے پیچ و خم سے آگاہی کے لئے اخبارات کا مطالعہ اور سیاسی جلسوں کی شرکت اور روئداد کا مطالعہ بڑی قیمت رکھتا ہے۔ اس سے رفتہ رفتہ سیاسی شعور پیدا ہو جائے گا۔ پھر خود بخود طبیعت معیاری مصنفین اور اساسی مواد کے لئے بیتاب رہے گی۔ اور وہ مطالعہ ایک سلجھے ہوئے اور تازہ ہوا میں سانس لینے والے دماغ کے لئے کیمیا ہی کیمیا ثابت ہوگا۔

کتابوں کے علاوہ جس قدر اخبار اور معیاری جرائد دستیاب ہو سکیں۔ اکٹھے کئے جائیں

اور پڑھ کر اچھے مضامین پر نشان لگائے جائیں ایک سال کے بعد ان سب کے اوراق علیحدہ علیحدہ کر کے بیکار قسم کا مواد نکال دیا جائے۔ اور کار آمد مضامین کو شعبہ وار ترتیب دے کر الگ الگ مجلد کرائے جائیں۔ تاکہ اچھے ادب کا ذخیرہ موجود رہے۔ خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا لٹریچر معمولی قسم کی لائبریری سے بہتر ہوتا ہے۔

مضمون نگار کے لئے ایسے اداروں کا قیام بھی مفید رہتا ہے۔ جہاں مقررہ عنوانات پر مضامین پڑھے جائیں۔ اور ہر کس و ناکس کو تنقید کا حق حاصل ہو۔ اس طرح اصلاح بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور تحقیق و تجسس کا ذوق بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ادارے میں سو پچاس آدمیوں سے کم نہ ہوں۔ بلکہ اگر ڈھب کے پانچ آدمی بھی ہوں تو افادی پہلو سے پانچ سو سے کم نہیں ہوتے۔ انہی مجلسوں اور علمی ادبی اصحاب کی نظر سے گذرا ہوا مضمون ملک بھر کے جرائد میں بے خطر چھپتا اور اپنے اثرات مرتب کرتا چلا جاتا ہے۔

ایسی مجلسیں بتا دیتی ہیں۔ کہ تنقید میں محاسن کس سلیقہ اور معیار سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تنقیص سے کس حد تک بچنے کی ضرورت ہے۔ مذہبی مضامین میں عالمانہ مذاق اور تحقیق و تدقیق کہاں تک درکار ہے۔ اور کن حدود تک دلآزاری سے پرہیز لازم ہے۔

ظرافت میں کہاں تک سنجیدگی ضروری ہے۔ اور الفاظ کو ظرافت سے بچاتے ہوئے نتیجے میں سامع اور ناظر پر ظرافت کس طرح اثر انداز کی جاتی ہے۔

ادبی مضامین میں کس حد تک تمدن اور معاشرت کی عکاسی کی ضرورت ہے۔ اور کن حدود میں تفصیل غبارِ خاطر بن جاتی ہے۔

اقتصادی مضامین میں کن کن عمرانی پہلوؤں کا اجاگر ہونا لازمی ہے۔ اور کون کون سے گوشوں کے لئے وقت درکار ہے۔

افسانوں میں کلائمکس (معراج) پر زور دیا جائے یا انجام کو پُر تاثیر کیا جائے؟ غرضیکہ مخلص صاحب ذوق اصحاب کی صحبتیں بتا دیتی ہیں۔ کہ مضمون کی تمہید اور تشریح میں حد فاصل کیسے لگتی ہے۔ اور مقصد و انجام میں اعتدال کیسے پیدا کیا جاتا ہے۔ حوالوں کا مضمون میں کیا درجہ ہے۔ اور موقع پر اشعار سے کتنا زور پیدا ہو جاتا ہے۔ امثال سے شرح پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور کنایہ سے ظرافت کا کونسا پہلو نمایاں ہوتا ہے؟

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر لوگ ابتدائی اور مکتبی غلطیاں نہیں کریں گے۔ مضمون نویسی میں کمزور ہونا بدنامی ہے اساتذہ کی میری نظر میں اساتذہ کا احترام ہے۔ کیونکہ میں طالب علم ہوں اور طالب علمی کی حدود کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

احسان دانش

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

۸ رجون ۱۹۵۰ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؁

حروفِ ابجد

حروف:- آواز کی تحریری شکلوں کا نام حروف ہے۔

ابجد:- حروف کے مجموعے کو "ابجد" کہتے ہیں۔ اور ابجد کا ابتدائی لفظ۔ ا۔ ب۔ ج۔ د۔ سے بنا ہے۔ اس کے پورے الفاظ یہ ہیں جس میں عربی کے الف سے "ی" تک کے حروف آجاتے ہیں۔

ابجد۔ ہوّز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ۔

چونکہ اردو زبان سنسکرت، فارسی اور عربی کے مجموعے سے بنی ہے۔ اس لئے اس ابجد کے مقررہ الفاظ کے علاوہ ترکی اور انگریزی الفاظ مثلاً۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ بھ۔ پھ۔ تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ۔ کھ۔ گھ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

عربی کے خاص حروف:- عربی کے خاص حروف یہ ہیں۔ ث۔ ح۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع غ ق۔ اگر کسی لفظ میں ان میں سے کوئی حرف ہوگا وہ عربی ہوگا۔ لیکن ع اور غ عربی اور فارسی میں مشترک ہیں۔

فارسی کے خاص حروف:- پ۔ چ۔ ژ۔ گ ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی حرف کسی لفظ کا جزو ہے۔ وہ فارسی ہوگا۔ لیکن یہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہندی میں بھی پ۔

گ - ق - وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

ہندی کے خاص حروف :۔ ٹ - ڈ - ڑ - بھ - پھ - تھ - ٹھ - جھ - چھ - کھ - گھ - وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ان میں ہر حرف ہندی کی شناخت ہے لیکن کلیہ نہیں۔ گ - پ - ژ - چ وغیرہ بھی ہندی میں ملتے ہیں۔

اعراب یا حرکات وسکنات

علامتِ زیر، زبر، پیش کو اعراب یا حرکات وسکنات کہتے ہیں۔ اور جس حرف پر ان میں سے کوئی حرکت ہو اسے متحرک۔

یہ اعراب اہلِ عرب کی ایجاد ہیں۔ عربی کے علاوہ اور کسی زبان میں اعراب نہیں پائے جاتے۔ چونکہ انہیں علامات میں جزم بھی شامل ہے۔ اس لئے انہیں حرکات وسکنات بھی کہا جاتا ہے لیکن اختصار کے خیال سے "اعراب" مناسب ہیں۔ اعراب یا حرکات ذیل میں درج ہیں۔ جو حروف کی آوازیں قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

زبر :۔ اسے عربی میں فتحہ کہتے ہیں۔ یہ الف کی آواز کا ایک جز ہے۔ یہ حرکت ہمیشہ حروف کے اوپر آتی ہے۔ اور الف کی ابتدائی آواز کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

زیر :۔ اسے کسرہ یا جر بھی کہتے ہیں۔ یہ حرکت حروف کے نیچے واقع ہوتی ہے۔ اس حرکت کے لگنے سے حرف کی آواز کا رُخ "ی" کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور خفیف سی "ی" ظاہر ہوتی ہے۔

جب اسے ی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ تو دو قسم کی آواز دیتی ہیں۔ ایک باریک اور طویل
جیسے تیر۔ پھیر۔ میر۔ چیر۔ پیر۔ بشہتیر۔ کشنیز۔ اور دوسری تیر۔ دیر۔ سیر وغیرہ۔
پہلی صورت میں زیر کے ساتھ "ی" مل کر یائے معروف کہلاتی ہے۔ اور دوسری حالت میں
یائے مجہول۔ شناخت کے لئے یائے معروف کے نیچے کھڑا زیر لگایا جائے۔ اور مجہول کے نیچے
معمولی علامت زیر جیسے فیس۔ دیس۔ تیل۔ فیل

پیش:۔ اسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں۔ یہ حرکت ہمیشہ اوپر آتی ہے۔ اور آواز کو واؤ کی طرف چلا دیتی ہے۔ مثلاً۔ کُم۔ تُم۔ گُل۔ جُل۔ بُحن وغیرہ۔

جب یہ پیش واؤ پر آتا ہے۔ تو واؤ معروف یا مجہول کے دائرے میں آجاتی ہے۔ جیسے طور۔ حور۔
صور میں واؤ معروف ہے اور ڈوم۔ موم میں مجہول۔

تشدید:۔ جب کوئی حرف مکرر آواز دیتا ہے۔ تو اسے دوبارہ نہیں لکھتے۔ بلکہ علامتِ تشدید (ّ)
لگا دیتے ہیں۔ مثلاً۔ بچّہ۔ محبّت۔ جنّت۔ جدّت۔ کتّا وغیرہ۔

تشدید۔ زیر۔ زبر۔ پیش ہر حرکت پر آجاتی ہے۔

جزم یا سکون:۔ جب کسی حرف پر زیر۔ زبر۔ پیش میں سے کوئی حرکت نہ ہو۔ جیسے۔ سبْب،
کی ب پر جزم ہے۔ ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں۔ یعنی وہاں آواز میں ٹھہراؤ لازم آئے گا۔

مد:۔ جب الف کو کھینچ کر پڑھا جاتا ہے۔ تو اس پر "ٓ" علامت لگا دیتے ہیں۔ "مد" کے معنی
ہیں زیادہ کرنا۔ طویل کرنا۔ کھینچنا مثلاً۔ آج۔ آم۔ آس وغیرہ۔ میں الف کی حالت۔

ہمزہ:۔ یہ ہمیشہ واؤ "یا" ی" کے ساتھ وہی کام دیتی ہے۔ جو مد الف کے ساتھ۔ یعنی یہ واؤ اور

"ی" کی آواز کو یہاں تک بڑھا دیتی ہے۔ کہ دو دو ی اور دو دو واؤ کی آواز معلوم ہوتی ہے لیکن لکھنے میں ایک "ی" آتی ہے۔ مثلاً تئیں۔ تاؤ۔ جاؤ۔ گئی وغیرہ۔

تنوین :- کسی لفظ کے آخر میں دو زیر یا دو زبر یا دو پیش آنے کو تنوین کہتے ہیں۔ تنوین کا مادہ "نون" ہے یعنی ہر حالت میں آخر حرکت کا سلسلہ نون میں مدغم ہو جائے گا۔ مثلاً نسلاً بعد نسلٍ۔ دفعتہً۔ صمٌ بکمٌ۔ تنوین صرف عربی الفاظ کے لئے مخصوص ہے۔

علامتیں

استفہام۔ ؟

ندا۔ تعجب۔ حسرت۔ دعا۔ قسم۔ اور خوشی !

تھوڑا وقفہ ـ

لفظی یا حرفی وقفہ۔ ،

پورا وقفہ۔ ۔

خط خاتمہ۔ ___________

اقتباس کے لئے واوین۔ " "

اگر اقتباس کے اندر بھی اقتباس ہو۔ " ' ' "

تعارفیہ :-

ترسیہ۔ ( )

یے۔ ی کا امتیاز

جس "ی" کا ماقبل مفتوح ہو۔ اُسے کٹی ہوئی لکھنا چاہیے۔ جیسے۔ مَے۔ دَے۔ تَے۔ وغیرہ
فعل میں یائے مجہول کو اسی طرح رہنے دیں۔ جیسے۔ آئے۔ گئے۔ رہے۔ چلے۔ ہٹے۔ بڑھے۔
وغیرہ۔

یائے معروف جو لفظ کے آخر ہو۔ وہ دائرہ دار لکھی جائے گی۔ جیسے۔ پی۔ سی۔ جی۔ گھی۔ ہی۔
وغیرہ۔

حروفِ شمسی و قمری

عربی میں امتیاز خصوصیت کے لئے اسماء پر ال لگاتے ہیں لیکن ان میں بعض حروف ایسے ہیں ـ جب ان کے شروع میں "ال" آتا ہے۔ تو تلفظ میں اصواتی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں ـ کہ ان کے پہلے الف آتا ہے۔ تو آواز اور تلفظ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ لفظ کا اوّل حرف مشدد پڑھا جاتا ہے۔

جن حروف کے شروع کا "ال" پڑھا جاتا ہے۔ انہیں قمری کہتے ہیں۔ کیونکہ قمر کے پہلے اگر "ال" لگایا جائے۔ تو "القمر" پڑھا جائے گا۔ جس میں "ال" کا صاف اعلان ہے جن حروف کے شروع کا "ال" اپنی آواز ظاہر نہیں کرتا انہیں شمسی حروف کہتے ہیں کیونکہ شمس کے شروع میں "ال" الگ کر آواز نہیں دیتا۔ بلکہ لفظ کا پہلا حرف مشدد ہو جاتا ہے۔ (اشّمس)

حروفِ شمسی اور ان کی مثالیں

د بدرالدین۔ نظام الدین۔ امیر الدولہ۔ سراج الدولہ وغیرہ

ذ اقل الذکر۔ صاحب الذکر۔ افضل الذکر۔ سابق الذکر وغیرہ

ر ہارون الرشید۔ صائب الرائے۔ اصحاب الرائے۔ سمت الراس

ز مہدی الزمان۔ سریع الزماں۔ امام الزماں۔ قائم الزاویہ۔ شجرۃ الزقوم وغیرہ

س بیت السلطان - السلام علیکم - بیت السلام - دار السلام - دارالسلطنت -

ش الشمس - من الشمس - الشریع - بیت الشفاء - عظیم الشان وغیرہ

ص الصبر - اللہ الصمد - علی الصباح - کتاب الصحت - عبد الصمد - صدر الصدور - وغیرہ

ض الضالین - عبد الضحیٰ - دار الضرب - ما فی الضمیر وغیرہ

ط جبل الطارق - تکمیل الطب - مدرسۃ الطب - مفید الطلاب - بالطبع وغیرہ

ظ الظہر - احتیاط الظہر - سوء الظن -

ن ذوالنورین - النوم - الناظر - النآخر - علم النفس - عوام الناس -

حروف قمری اور مثالیں

ا فنافی اللہ - مسبب الاسباب - الانسان - غوث الاعظم - الامان - شفاء الامراض - بیت اللہ - وغیرہ -

ب البیان - عبد الباسط - امیر البحر - دافع البلاء - امواج البحر - عروس البلاد وغیرہ -

ج ذوالجلال - صاحب الجمال - عبد الجلیل - فی الجملہ - یوم الجمعۃ - جمع الجزائر وغیرہ

ح الحکیم - دار الحکومت - بیت الحکماء - قاضی الحاجات - فی الحقیقت - ناقص الحال - بیت الحرم وغیرہ -

خ دار الخلافہ - عجیب الخلقت - بالخصوص - علی الخصوص وغیرہ -

ع رب العالمین - دار العلوم - کتاب العلم - شمس العلماء - دار الخواص - راسخ الاعتقاد - وغیرہ

ع الغرض۔ عبدالغنی۔ اسداللہ الغالب۔ علاج الغرباء۔ عالم الغیب۔ کثیر الغذاء۔ غریب الغرباء وغیرہ۔

ف صریح الفہم۔ الفاروق۔ فدالفقار۔ ابوالفضل۔ عدیم الفرصت۔ خادم الفقراء وغیرہ۔

ق القمر۔ صادق القول۔ فنافی القوم۔ علیٰ ہذالقیاس۔ تالیف القلوب۔ عبدالقادر۔ وغیرہ۔

ک بالکل۔ کلام الملوک۔ نقش کالحجر۔ عبدالکریم۔ ابوالکلام۔ فصیح الکلام۔ وغیرہ۔

ل عمی اللون۔ تحت اللفظ۔ منتخب اللغات۔ وغیرہ

م بیت المقدس۔ محسن الملک۔ بیت المال۔ تاج المساجد۔ راس المال۔ ام الممات۔ ضرب المثل وغیرہ۔

و کتاب الوعظ۔ الوطن۔ ابن الوقت۔ تمام الاوقات۔ عبدالواحد۔ فی الواقع وغیرہ۔

ہ الہلال۔ امام الہند۔ دارالہنود۔ غریب الہند۔ بوالہوس وغیرہ۔

ی الیوم۔ الیقین۔ صادق الیقین۔ وغیرہ۔

اصُولِ تحریر

مضمون صفحے کے ایک طرف لکھنا چاہیئے۔ اور جب مضمون کا دوسرا صفحہ دوسرے ورق کے پہلے صفحے پر جائے تو P.T.O (جو انگریزی دان طبقہ لکھتا ہے) کی جگہ و۔ ا۔ د لکھنا چاہیئے جس کا مطلب ہے "ورق الٹ کر دیکھئے" ہر سطر کے اختتام پر یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی اسم یا فعل کے دو ٹکڑے اس طرح نہ ہوں کہ ایک ٹکڑا ایک سطر کے آخر میں اور دوسرا دوسری سطر کے شروع میں آئے۔ اس طرح کہیں ذم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کہیں حیرت کہیں الجھن اور کہیں ثقالت مجرد کے ساتھ حرفِ جر بھی ہونا چاہیئے۔ جیسے "اُس کے تعاون ہی سے" میں آنا چاہئے اس میں اگر کی جگہ یا تو الفاظ کی کشش سے پُر کر دی جائے۔ یا خالی جگہ چھوڑ کر "اگر" کو دوسری سطر میں لائیں۔ رقمیں اگر الفاظ میں لکھی جائیں تو دو سطر کا مضائقہ نہیں لیکن اگر ہندسوں میں لکھیں تو ایک ہی جگہ لکھنا ضروری ہے۔

وقت بتانا

چونکہ وقت کی دریافت کا محرک مستقبل قریب کا کوئی ضروری تقاضا ہوتا ہے۔ اس لئے جواب میں چھوٹی سے چھوٹی کسر بول دی جائے تو بہتر ہے۔

ایک گھنٹے میں ساٹھ منٹ ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر ایک بج کر ۳۰ منٹ گئے ہوں تو ڈیڑھ اور اگر ایک بج کر آدھ گھنٹے سے کم پچیس یا بیس منٹ گئے ہوں تو ایک بج کر پچیس یا بیس منٹ کہنا

چاہیئے۔ اسی طرح اگر ایک بج کر پینتیس منٹ گئے ہوں تو "دو بجنے میں پچیس منٹ" بتانا چاہیئے تاکہ مستقبل کی ضرورت نزدیک معلوم ہونے لگے۔ میرے خیال سے وقت بتانے میں "بجکر" اور "گئے" یا ہوئے بھی زوائد میں ہیں۔ اگر ایک بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہوں۔ "ایک پندرہ" کہہ دینا کافی ہے۔ اسی طرح اگر دو بجنے میں ۲۰ منٹ ہوں تو "دو میں بیس" کہہ دینا کافی ہے۔

روزمرّہ اور قواعد

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کلام صرف و نحو کی رو سے بالکل صحیح اور روزمرّہ کی رو سے بالکل غلط ہے۔

مثلاً:۔ "اس کی چشم میں درد ہے"۔

"وہاں جاکر اس کو کہنا"

یہ دونوں فقرے قواعد کی رو سے درست اور روزمرّہ کی رو سے غلط ہیں۔ اور روزمرّہ کا تقاضا ہے کہ چشم کی جگہ آنکھ اور نمبر ۲ میں "کو" کی جگہ "سے" لکھا جاتا۔ یعنی

"اس کی آنکھ میں درد ہے"۔

"وہاں جاکر اس سے کہنا"۔

متروکات

متروکات کا تحریر و تقریر میں لانا کم علمی اور بے پروائی کا ثبوت ہے لیکن تمام متروکات ایسے نہیں ہیں کہ انہیں ٹکسال باہر کر دیا جائے۔ متروکاتِ قدیم تو واقعی اس قابل نہیں کہ اب انہیں استعمال کیا جائے اور فصحا میں ان کا استعمال معیوب قرار پاتا ہے لیکن وہ متروکات جو متروکات کی فہرست میں آنے کے باوصف اب تک زبان زدِ عوام و خواص ہیں، انہیں ترک کر دینا۔ زبان کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
مثلاً:-

پر	یعنی	مگر ، لیکن
پہ	"	پر
بیچ	"	درمیان
پرے	"	دور ، ہٹ کر
امکان	"	ممکن
تلے	"	نیچے
جوں	"	مانند
نت	"	ہمیشہ
وصیتا	"	گنا

زور	بمعنی	زیادتی ، عمدہ ، معیاری
تلک	"	تک
سمیت	"	مع ، ساتھ
کاہے کو	"	کس لئے ، کیوں !
مارے	"	سبب سے
لگ رہا ہے	"	لگا ہوا ہے
دکھلانا	"	دکھانا
بتلانا	"	بتانا
جتلانا	"	جتانا
سکھلانا	"	سکھانا وغیرہ

یہ الفاظ ابھی قابل ترک نہیں۔ زبان کی ترقی خود بخود نئے الفاظ ایجاد کر کے قدیم الفاظ کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

قابلِ ترک الفاظ

اردو میں جب عربی الفاظ کی بھرمار اور تراکیب کی بہتات ہو جاتی ہے تو نقصِ غرابت پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس لئے مندرجہ الفاظ جو اردو میں داخل ہو گئے قابلِ ترک ہیں۔

قابلِ ترک	قائم مقام
فی زمانہ	آج کل۔اس زمانے میں
تاحدِ امکان	حد بھر۔مقدور بھر
نسلاً بعد نسلٍ	پشتینی یا پشت در پشت
دیر گاہ	ہمیشہ
قریب المرگ	نازک حالت۔آخری وقت
تاچند	کہاں تک
فی الحال	لگے ہاتھ۔سردست
بدرجۂ غایت	نہایت۔بہت ہی
مُدام	ہمیشہ
بالفعل	اب تو۔ابھی تو۔اب
تاہنوز	اب تک
علی الرغم	کے خلاف
بالعکس	برعکس
ہرآئینہ	ہر طرح
ہنوز	ابھی
تابکے	کب تک

قابلِ ترک تنازع للبقا	قائم مقام تنازع البقا
بعینہ	عین بین ۔ ہو بہو
تا کجا	کہاں تک
ہر چند	اگرچہ
وغیرہ ہم	وغیرہ
فی الواقع ۔ فی الواقعی	واقعی ۔ حقیقت میں
فیمابین	آپس میں
بین بین	بیچ بیچ ۔ درمیان ۔ لگ بھگ
ولے	مگر
ولیکن	لیکن
چندے	تھوڑے دن ۔ تھوڑا عرصہ
گوئیا	گویا ۔
الف ندائیہ سے ساقیا	اے ساقی ! ساقی
پروردگارا	اے پروردگار ! پروردگار
جزولاینفک	ضروری ۔ ضروری حصہ ۔ جزو لازم

صفت کا غلط استعمال

صفت ہمیشہ موصوف کے مقتضائے حال کی تابع ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگ صفت کے غلط استعمال سے کلام کو عیب دار کر دیتے ہیں۔ مثلاً:۔

آنکھ کے ضروری امراض کا بیان

درد تو کم ہو گیا۔ مگر بخار کافی ہے۔

پہلے فقرے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت ان امراض کو بتایا جائیگا جو آنکھ کے لئے ضروری ہیں۔ حالانکہ آنکھ کے لئے کوئی مرض ضروری نہیں۔ یہاں ضروری کی جگہ معمولی اہم یا عام محل ہے۔

دوسرے فقرے میں "کافی" کا غلط استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ درد تو کم ہو گیا۔ مگر بخار ابھی گذارے کے قابل ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ اگرچہ بہت کام توس کام آچکے ہیں۔ لیکن ابھی کافی مسالہ موجود ہے۔ یا بہت مہمان کھا چکے ہیں۔ مگر ابھی کافی کھانا باقی ہے۔ حالانکہ اس فقرے کا مقصد یہ ہے۔ کہ درد میں تو کمی ہے مگر بخار کم نہیں ہوا۔ ابھی ایسا کہ نہیں کم کہا جا سکے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے صرف یہ فقرہ موزوں ہو گا۔

درد تو کم ہو گیا۔ مگر "بخار" ہے۔

واقعاتی تسلسل

واقعات کو تسلسل سے لکھنا اور بیان کرنا بھی فصاحت میں داخل ہے لیکن بعض لکھے پڑھے لوگوں کی تحریر میں واقعاتی تسلسل نہیں پایا جاتا۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے۔

"ابھی ہسپتال سے آیا ہوں۔ میرے ایک عزیز کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ اس پر صندوق گر گیا تھا۔"

اس فقرے میں واقعہ کا تسلسل بالکل الٹا ہے۔ کیونکہ واقعہ اس طرح ہے کہ پاؤں پر صندوق گرا۔ جس سے پاؤں زخمی ہوا۔ اس کے بعد اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیے تھی۔

"صندوق گرنے سے میرے ایک عزیز کا پاؤں زخمی ہو گیا ہے۔ اسے ہسپتال پہنچا کر آیا ہوں۔"

اسی طرح ہر واقعہ میں اُس کا فطری تسلسل لازم ہے۔

مختلف الجنس فاعل

جب لا کسہ خبر یا جملے میں مبتدا یا فاعل ایک سے زائد ہوں تو فعل جمع غائب مذکر کے صیغے میں لانا بہتر ہے۔ مثلاً:۔

"پولیس اور محکمۂ جاسوسی سنسنی خیز نقل و حرکت عمل میں لا رہا ہے۔"

"ریلوے، عدالتِ دیوانی اور محکمۂ احتساب عجیب و غریب کاروائی کر رہا ہے" درست نہیں ہے۔ اس طرح کہنا چاہئے۔ کہ

"پولیس اور محکمۂ جاسوسی سنسنی خیز نقل و حرکت عمل میں لا رہے ہیں۔"

"ریلوے، عدالت دیوانی اور محکمۂ احتساب عجیب و غریب کاروائی کر رہے ہیں۔"

ضمیر یا حرفِ اشارہ

جب دو شخصوں یا چیزوں کا مزید بیان ہو تو جو پہلے ہے۔ اس کے لئے "اُس" اور جو بعد میں ہے۔ اس کے لئے "اِس" استعمال کرنا چاہیے۔ جیسے کریم اور خلیل دو بھائی تھے۔ اُس نے (یعنی کریم نے) کھیتی شروع کر دی تھی۔ اور اِس نے (یعنی خلیل نے) بیوپار میں روپیہ لگا دیا۔
اعداد کا استعمال بھی اسی ترتیب سے ہوگا۔

مثلاً رمضان اور رحیم دو شریک کار تھے۔ ایک کراچی گیا یعنی (رمضان) دوسرا لاہور ہی میں کام کیا کرتا ہے۔ یعنی (رحیم)

دو تک تو اس ترتیب سے لکھے جائیں گے۔ اور زیادہ میں نام لکھنا ضروری ہوگا۔
صفت عددی میں ہندسوں کا استعمال کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً پچیسویں سالگرہ کو ۲۵ ویں سالگرہ یا پچیسویں جلسہ کو ۲۵ ویں جلسہ لکھنا درست نہیں۔

تعدادِ استفہامی

جب کئی شخصوں میں سے کسی ایک کی بابت کہا جائے تو معلوم کرنے والا۔ "کون سا" کہے گا۔ اور اس کے لئے یہی استفہامیہ درست بھی ہے۔ اسی طرح تعدادِ استفہامی کے لئے لفظ "کوَ تھا" معیّن ہے۔ لیکن بعض لوگ اس صفتِ عددی کو "کِتنواں" بولتے ہیں جو مناسب نہیں اس سے بہتر "کَے واں" ہے۔ کیونکہ "کے" "کتنے" کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے "کَے دن ہوئے" "کَے روپئے باقی ہیں" یعنی کتنے دن ہوئے، کتنے روپئے باقی ہیں" وغیرہ اور "کَے" سے "کَے واں" حرفِ شمار لگا کر بنا لیا۔ اگرچہ "کتنے" سے "کتنے واں" بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں روانی نہیں رہتی اور اس سے "کَے واں" بہتر ہے۔ لیکن "کَے واں" سے "کوتھا" کو ترجیح ہے۔ بریلی اور اس کے نواح میں عوام کی زبان پر "کون سا" کی جگہ "کوسا" ہے۔ جو صوتی اعتبار سے کوتھا سے بہتر ہے۔ لیکن "جو" کی جگہ "جو سا" کا استعمال ان کے یہاں بھی درست نہیں۔

عدد کے بجائے صفتِ عددی کا استعمال:۔ یہ عام غلطی ہے کہ کسی سے یہ پوچھا جائے کہ "آج کونسی تاریخ ہے۔" تو وہ جواب میں کہتا ہے "دس، آٹھ یا سات۔" حالانکہ کونسی کے جواب میں دسویں، آٹھویں یا ساتویں کہنا چاہئے۔

غلط جمع کا استعمال

بعض الفاظ شمار کے ہندسوں کا کام دیتے ہیں۔ جیسے بارہ کی جگہ درجن۔ پانچ کی جگہ دھڑی چالیس سیر کی جگہ من اور سو برس کی جگہ صدی بولتے ہیں۔ اصولِ کلیہ سے ان کی جمع نہیں بنتی لیکن بعض بعض لوگ جمع بنا لیتے ہیں جو غلط ہے۔ مثلاً دس درجن پیکٹ کو دس درجنیں پیکٹ کہنا غلط ہے۔ اسی طرح پانچ دھڑیاں، چونتیس سیریں، دو صدیاں وغیرہ قاعدے کی رو سے درست نہیں۔ انہیں پانچ دھڑی، چونتیس سیر، دو صدی کہنا چاہئے۔

مرکّبات کی جمع

مرکبات کی جمع بنانے میں اصل لفظ کو نہیں چھیڑا جاتا لیکن کئی جگہ اس قسم کی غلطیاں بھی سُنی اور دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً صنم کدہ کی جمع اصنام کدے غلط ہے صنم کدے درست۔ اسی طرح بت خانہ کی جمع بتاں خانے صحیح نہیں بلکہ "بتخانے" درست ہے۔

مفرد اور جمع کا اصولِ استعمال

بعض لفظ مفرد ہیں۔ مگر ان کا استعمال بطور جمع ہوتا ہے۔
مثلاً "معنی" مفرد ہے۔ لیکن کثیر یوں آئے گا۔ اس کے کیا معنی ہیں ؟
"دستخط" مفرد ہے لیکن بولنے اور لکھنے میں یوں آتا ہے کہ اس کاغذ پر میرے دستخط نہیں ہیں۔

۲۔ لفظ "ہر" کے ساتھ جمع مستعمل نہیں مثلاً۔ ہر ملکوں، ہر رستوں، ہر باتوں، غلط ہیں۔ ان کی جگہ ہر ملک، ہر رستے، ہر بات وغیرہ کہیں گے۔

۳۔ کا۔ کے۔ کی۔ کو۔ پر۔ تک۔ میں۔ سے۔ نے۔ الفاظ میں سے کسی لفظ سے پہلے اگر کوئی لفظ بطور جمع ہو تو اس کی جمع ہمیشہ "وں" سے ہو گی۔ مثلاً بچوں نے پنکھوں سے۔ مدرسوں میں کھڑکیوں تک۔ منڈیروں پر۔ کبوتروں کو۔ عورتوں کی۔ مردوں کے۔ برتنوں کا وغیرہ۔

"ا" اور "ہ"

جن الفاظ کے آخر میں الف یا ہائے مختفی نہ ہو

معہ زبان کے وہ الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہائے مختفی نہ ہو۔ فعل جمع کے ہمراہ واحد بھی استعمال ہوں گے۔ مثلاً :۔

آدمی بستی میں خوش رہتے ہیں۔
اس محلے میں سیکڑوں گھر ہیں۔
وہ سیکڑوں انعام حاصل کر چکا ہے۔
کل جنگل میں بیسیوں مور دیکھے۔
ہم سہتے ہیں۔ اور وہ ستم کرتے ہیں۔
آپ کے بیمار بہر صورت آپ کے بیمار ہیں۔

لیکن جب عربی فارسی کے الفاظ کسی فارسی ترکیب سے جمع کے ساتھ استعمال کئے جائیں تو اس موقع پر وہ واحد استعمال نہ ہوں گے۔ مثلاً :۔

تصویرِ شاہاں کی جگہ تصاویرِ شاہاں

عاشقِ بتاں کی جگہ عشاقِ بتاں

چند داغِ دل کی جگہ داغہائے دل

مردِ خدا ہی آگے بڑھیں گے، کی جگہ مردانِ خدا ہی آگے بڑھیں گے۔

لیکن نظم میں ایسے موقع پر جمع کی جگہ واحد ہی استعمال کرتے ہیں۔ اور بظاہر کوئی برائی بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اصولی غلطی ضرور ہے۔ مثلاً:۔

ع چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط — غالبؔ

ع داغِ غم الفت سے دل سیر نہیں ہوتے

ع میخوار گر پکاریں پیرِ مغاں بہت ہیں

۵ سینکڑوں طالبِ دیدار تڑپتے چھوڑے
تیرے جلووں نے بٹتے وقت میں پردے چھوڑے — مضطر خیرآبادی

اگر تصویرِ بتاں کی جگہ تصاویرِ بتاں، داغِ غم کی جگہ داغہائے غم، پیرِ مغاں کی جگہ پیرانِ مغاں۔ طالبِ دیدار کی جگہ طالبانِ دیدار وغیرہ لکھیں تو اصولی نقص نکل جائے گا۔ مثلاً

ع ہم نے حقوقِ صحبتِ رنداں بھلا دئے

ع ہم خوگرانِ جورِ عزیزاں ہیں آج تک

حقوقِ صحبتِ رنداں۔ خوگرانِ جورِ عزیزاں۔ طالبانِ جلوۂ جاناں وغیرہ میں وہ اصولی نقص نہیں۔

وہ الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہائے مختفی ہو

جن الفاظ کے آخر میں الف یا ہائے مختفی ہو۔ اردو میں وہ جمع کی صورت میں واحد استعمال نہیں ہوں گے۔ جیسے

اس نے چار بچھڑا خریدے۔
الماری میں چار آئینہ لگوائے۔
دل کی گرہ کھول دیں۔

نہیں کہیں گے بلکہ

اس نے چار بچھڑے خریدے۔
الماری میں چار آئینے لگوائے۔
دل کی گرہیں کھول دیں۔ درست ہوگا۔

الف اور ہائے مختفی

کی

یائے مجہول سے تبدیلی

اگر کسی اسم کے آخر الف یا ہائے مختفی ہو۔ اور اس سے پہلے حرف پر زبر ہو تو اس کے بعد جو حرف مغیرہ یا ایک آدھ کوئی دوسرا لفظ آئے گا۔ تو الف اور ہائے مختفی دونوں یائے مجہول سے بدل جائیں گے اور یہی عمل الف مقصوری پر ہوگا۔ جیسے "دعویٰ" کا مسودہ غلط ہو گیا۔ فتویٰ کا مضمون ہی دوسرا ہے۔ بعض حضرات اس اصول کی پابندی نہیں کرتے اسی لئے ان کی تحریر و تقریر میں یہ خامی باقی رہتی ہے۔ مثلاً:۔

مولانا سے کیا کہا جائے۔

بکرا کو باندھ دو۔

میخانہ میں شراب ہی شراب ہے۔

کتا کو ٹھنڈا کر دو۔

کرتا میں پیوند لگا دو۔

کعبہ بھی گئے۔ مدینہ میں بھی رہے۔

لاحقہ صیغہ حرف جار یا اضافت معنوی کو کہتے ہیں۔

اس کے پرچہ سے معلوم ہوا۔

دانہ دانہ پر مہر ہے۔

پائجامہ میں ازار بند نہیں۔

اصولاً یہ سب فقرے غلط ہیں۔ قاعدے کی رو سے انہیں اس طرح ہونا چاہئے۔

دیوانے سے کیا کہا جائے۔

بکرے کو باندھ دو۔

میخانے میں شراب ہی شراب ہے۔

کتّھے کو ٹھنڈا کر دو۔

کرتے میں پیوند لگا دو۔

کعبے بھی گئے۔ مدینے میں بھی رہے۔

اس کے پرچے سے معلوم ہوا۔

دانے دانے پر مہر ہے۔

پائجامے میں ازار بند نہیں۔

"ب" کا استعمال

"بہ" فارسی علامت ہے - جو عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ مستعمل ہے - مثلاً - در بدر - سو بسو - یم بیم - کو بکو - رو برو - کوچہ بہ کوچہ - خانہ بخانہ - منزل بمنزل - قدم بقدم - مو بمو - دریا بہ دریا - جو بجو - خود بخود - دست بدست - سر بسر - رنگ برنگ - نقش بہ نقش وغیرہ -

لیکن بعض حضرات اردو ہندی الفاظ میں بھی "ب" لگا کر بولتے ہیں - مثلاً - دن بدن - گھر بہ گھر - گھڑی بہ گھڑی - جگہ بہ جگہ - گاؤں بگاؤں - گلی بگلی وغیرہ -

اس طرح اس کا استعمال بالکل غلط ہے - لہٰذا ان اردو الفاظ کی جگہ عربی فارسی لگا کر "ب" لگائی جائے - یعنی

دن بدن	کی جگہ	روز بروز
گھر بہ گھر	" "	خانہ بخانہ
گھڑی بہ گھڑی	" "	ساعت بہ ساعت
جگہ بجگہ	" "	جا بجا
گاؤں بگاؤں	" "	دیہہ بدیہہ
گلی بگلی	" "	کوچہ بکوچہ

اس کے علاوہ فارسی علامت "ب" علیحدہ کر کے انہیں الفاظ کو اس طرح بھی لکھا جا سکتا ہے۔

گھر گھر شور مچا ہوا ہے۔

وہ مجھے گھڑی گھڑی آ کر تنگ کرتا ہے۔

وہ جگہ جگہ مارا مارا پھرتا ہے۔

گاؤں گاؤں اس کا چرچا ہے۔

گلی گلی کی خاک چھان چکا ہوں۔

میں دن دن بھر تلاش کرتا ہوں۔

رات رات بھر جاگتا رہا ہوں۔

"ب" کا زائد استعمال

بعض بعض جگہ عربی فارسی الفاظ کے ساتھ "ب" کا زائد استعمال بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ جو قابلِ ترک ہے۔ مثلاً:۔ دیوانِ غالب بمعہ شرح

اس میں بمعہ شرح کی جگہ مع شرح ہونا چاہئے۔ کیونکہ "ب" اس میں زائد ہے۔ بعض حضرات تو "ب" زائد کے بعد لفظ "کے" بھی اضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً۔

وہ بمعہ اولاد کے چلا گیا۔

وہ بمعہ پاپوش کے اندر چلا گیا۔

اس قسم کے فقروں میں "ب" اور "کے" بالکل زائد ہے۔ انہیں اس طرح کہنا چاہئے۔

وہ مع اولاد چلا گیا۔

وہ مع پاپوش اندر چلا گیا وغیرہ

اردو الفاظ کے ساتھ بھی کہیں کہیں "ب" کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

مجھے براستہ دہلی سفر کرنا ہے۔

اس میں راستہ اردو ہے۔ اسے یوں لکھنا چاہئے۔

مجھے براہ دہلی سفر کرنا ہے۔ مجھے دہلی کے راستے سے سفر کرنا ہے۔

اب چونکہ "ب" "راہ" کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ترکیب برمحل بھی ہے اور درست بھی

"تا" کا استعمال

فارسی کا لفظ "تا" جس کے معنی ہیں "تک" اردو میں کہیں کہیں ملتا ہے جو مطلق غلط ہے۔

مثلاً :-

میں گھر تا کھیت دیکھتا چلا گیا۔

راوی کے گھاٹ تا شہر آمد و رفت بند تھی۔

بچہ تا بوڑھا سب میلے گئے۔

چھوٹا تا بڑا ان کی تعظیم کرتا ہے۔

ان فقروں میں لفظِ تا غیر موزوں ہے۔ انہیں اس طرح لکھنا اور بولنا چاہیئے۔

میں گھر سے کھیت تک دیکھتا چلا گیا۔

راوی کے گھاٹ سے شہر تک آمد و رفت بند تھی۔

بچّے سے بوڑھے تک سب میلے میں گئے۔

چھوٹے سے بڑے تک، ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

اگر دونوں لفظ فارسی ہوں یا ایک فارسی اور ایک عربی تو لفظ تا کا استعمال برمحل ہوگا۔

جیسے :-

کوہ تا کاہ - ماہ تا ماہی - صبح تا شام

زمین تا آسماں - عرش تا فرش - وغیرہ وغیرہ

"ذ" اور "ز" کا استعمال

ذال عربی حرف ہے ۔ اس لئے گذارش ۔ گذر ۔ گذر ۔ گذرگاہ ۔ راہگذر وغیرہ ۔ چونکہ عربی الفاظ نہیں اس لئے انہیں "ذال" کی جگہ "ز" سے لکھنا چاہئے ۔ یعنی گزارش ۔ گزار ۔ گزرگاہ ۔ راہگزر وغیرہ ۔

تنوین

اسم تفضیل پر تنوین (دو زبر) قاعدے کے خلاف ہے ۔ لیکن بہت سے لوگ ۔ "اغلباً" بولتے اور لکھتے ہیں ۔ جو عربی قاعدے کے خلاف ہے ۔ اس کے علاوہ کسی اور اسم تفضیل پر تنوین ۔ لکھنے یا سننے میں نہیں آتی ۔ یعنی افضل ۔ اکبر ۔ اطہر یا اغلب کی طرح کوئی تنوین کا اضافہ نہیں کرتا ۔ اس لئے "اغلباً" غلط العام کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے

اعلانِ نون

فارسی کے جو الفاظ اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور جن کے آخر میں "نون" ہے۔ وہ جب اردو کے طور پر فقرات و اشعار میں آئیں تو آخری "نون" کا اعلان ضروری ہے۔ لیکن جب عطف و اضافت سے آئیں تو "نون" کا اعلان جائز نہیں۔ مثلاً:۔

میرا مکاں ۔ اس کی دکاں

ہر شخص کی جاں ۔ ہمارا مہماں

آپ کا احساں وغیرہ

یہ سب فقرات "ن" کے اعلان بغیر غلط ہیں۔ لیکن عطف و اضافت سے درست ہیں

مثلاً:۔ تسکینِ دہ ۔ جانِ جہاں ۔ زمین و آسماں

بار احساں ۔ زمان و مکاں

خاطرِ مہماں ۔ نصیبِ دشمناں وغیرہ

ان فقروں میں اعلان نون جائز نہیں۔

اس کے علاوہ گوشِ مدہاں ۔ چاکِ گریباں ۔ خاک و خون ۔ دیدۂ گریاں ۔ وغیرہ

میں بھی اعلانِ نونِ آخر غلط ہے۔ لیکن بعض الفاظ ایسے بھی ہیں۔ جو

اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً چین (ملک) ہر حالت میں اعلانِ نون ہوگا۔ مثلاً

ملکِ چین۔ دیوارِ چین۔ بادشاہِ چین۔

نگار خانۂ چین وغیرہ

لیکن نظم میں کہیں کہیں قاعدہ شعر کے دروبست پر قربان بھی کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً

ع نہ جانے کیوں زمانہ ہنس رہا ہے میری حالت پر

جنوں میں جیسا ہونا چاہئے ویسا گریباں ہے

(سراج لکھنوی)

عطف و اضافت کے بغیر گریبان با اعلانِ نون ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ضرورتِ قافیہ نے قاعدہ

کو نظر انداز کرا دیا۔

"واؤ" عطف غلط

دو لفظوں کے درمیان "اور" کے معنی میں "واؤ" کا استعمال اس صورت میں جائز ہے جبکہ دونوں لفظ یا تو عربی ہوں یا فارسی یا پھر ایک عربی ہو۔ اور ایک فارسی نہ تو اردو اور ہندی الفاظ کے درمیان واؤ معطوف ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ ایک لفظ عربی یا فارسی ہو اور دوسرا اردو یا ہندی یا انگریزی مثلاً: دانہ و پانی۔ چاندی و سونا۔ ہولڈر و کاغذ۔ شہر و اسٹیشن۔ پیار و محبت۔ تیتر و بٹیر۔ چھوٹا و بڑا۔ آرام و چین وغیرہ۔ سب غلط ہیں۔ ان میں واؤ کی جگہ "اور" کا استعمال لازم ہے۔

اگر دونوں لفظ عربی یا فارسی کے ہوں اور ان میں ایک لفظ کو اردو ترکیب سے استعمال کیا جائے تو بھی واؤ عطف درست نہیں۔ مثلاً کعبہ و بت خانے۔ سیر و تماشے۔ طور و طریقے۔ مبتلا و دل جلا۔ وغیرہ۔ انھیں اردو کی ترکیب کے بغیر استعمال کرنا چاہئے۔ یعنی کعبہ و بت خانہ۔ سیر و تماشا۔ طور و طریق۔ مبتلا و دل سوختہ وغیرہ

"واؤ"

ہم معنی لفظوں میں عطف

اگر لطف بیان اور زورِ قلم دکھانے کے لئے دو ہم معنی لفظوں میں واؤ عطف استعمال کرنا ہو

تو فصاحت کا اصول ہے کہ دونوں لفظ یا تو جمع ہوں یا واحد، یہ نہ ہو کہ ایک جمع ہو اور ایک واحد۔

مثلاً :۔ "الطاف و کرم" نہیں بلکہ "لطف و کرم" ہونا چاہیے

یا "لطف و عنایات" نہیں بلکہ "لطف و عنایت" جائز ہوگا۔

اسی طرح دونوں لفظ جمع ہوں تو بھی تحریر میں شگفتگی آجاتی ہے۔ مثلاً

الطاف و عنایات۔ افکار و حوادث۔ آیات و نعمات وغیرہ

لیکن دل و جان۔ دل و جگر وغیرہ کو واؤ معطوف کے بغیر دل جان۔

لکھ اور بول کر معطوف کے معنی پیدا کر لینا خلافِ قاعدہ ہے۔ مثلاً :۔

یہ دل دماغ دونوں جان کے دشمن ہیں۔

دل جگر جل جل کر خاک ہوئے۔

"واؤ" زائد :۔ بہت سے لوگ حرف اوّل کے ضمہ کے باوجود واؤ کی ایزادی سے دکان کو دوکان

اُن کو اون۔ اُس کو اوس۔ اُدھر کو اودھر لکھتے ہیں۔ جو درست نہیں۔

یائے معروف کا زائد استعمال

انتظار۔ انکسار۔ تقرّر۔ بہبود۔ شتاب

یادگار۔ تنزّل۔ اضطراب۔
وغیرہ کے آخر میں یائے معروف ایزاد کر کے

انتظاری۔ انکساری۔ تقرّری۔ بہبودی۔ شتابی۔
یادگاری۔ تنزّلی۔ اضطرابی۔ وغیرہ

لکھنا یا بولنا معیوب ہے۔ کیونکہ یائے معروف کے اضافے کے بغیر بھی ان میں وہی مفہوم ہے
اضطرابی۔ انکساری۔ تقرّری و بہبودی وغیرہ۔ غلط العام کی فہرست میں آگئے ہیں۔ اسی طرح
جلدی" اور "یاری" میں بھی "ی" کے بغیر وہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ جو "ی" کے اضافے
سے لیا گیا ہے۔ یوں کہئے کہ "ی" کے اضافے سے فصاحت کا خون ہوجاتا ہے۔ مثلاً
لاکھ باری تم سے کہہ دیا گیا۔
یہ موقع ہزار باری آیا۔

ان دونوں فقروں میں "ی" کا استعمال بالکل غیر موزوں ہے۔ اس کی جگہ اگر یوں لکھا جائے تو درست ہے۔ مثلاً:۔

لاکھ بار تم سے کہہ دیا گیا۔

یہ موقع ہزار بار آیا۔

"بار" فارسی کا لفظ ہے۔ جو دفعہ کے معنی میں مستعمل ہے لیکن اردو میں "باری" "نوبت یا نمبر" کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً:۔

"اب ہماری باری آگئی۔"

اسطرح "بار" میں "ی" کا استعمال درست ہے۔ اسی طرح جلدی اگرچہ۔ بغیر "ی" کے بھی اپنے مفہوم پر حادی ہے۔ لیکن اردو میں جلدی ہی مستعمل ہے۔ کیونکہ فصحا کے یہاں موجود ہے۔

"اپنا"، "تئیں"

جب ایک فعل فاعل سے صادر ہو کر اسی پر وارد ہو یا یوں سمجھئے کہ جب ایک ذات پر فاعل و مفعول کا اطلاق ہو تو "اپنا" اور "تئیں" کا استعمال ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی مقام پر بھی تئیں کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اتفاق رائے سے اس کے دوسرے استعمال متروک ہیں۔ اب صرف یہی صورت جائز قرار دی جاتی ہے۔ "اس نے اپنے تئیں تباہ کر لیا"۔

"اپنا" کا استعمال بھی عموماً لوگ درست نہیں کرتے۔ یہ لفظ اس جگہ کے لیے موزوں ہے۔ جہاں زور یا تخصیص مقصود ہو۔ مثلاً:۔

یہ میرا اپنا اصطبل ہے۔

یہ میری اپنی زمین ہے۔

یہ میرے اپنے گھوڑے ہیں۔

لیکن جہاں زور یا تخصیص کا محل نہیں وہاں "اپنا" حشو میں آ جاتا ہے۔ جیسے میری اپنی رائے بھی نہیں ہے۔ میرے اپنے خیال میں آج اتوار ہے۔ میرے اپنے اصول بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔

اس قسم کے فقروں میں "اپنا" کا محل نہ ہونے سے نہ صرف یہ کہ عبارت میں کوئی حُسن پیدا نہیں ہوتا ہے۔

ہاں اور یہاں :- "ہاں" ایک اہم کلمہ ظرف مکان ہے - جو ہاں - جہاں - کہاں - یہاں وغیرہ میں آتا ہے - اور اس میں ضمیر کا نفس معنی بھی مضمر ہے - جب ہم یہ کہیں گے کہ "ان کے یہاں" تو سامع شش و پنج میں پڑ جائے گا - کیونکہ اس میں "ان کے" "اس جگہ کے معنی ہیں - جمع بعید از قیاس ہیں - لیکن جب ہم کہیں گے "ان کے ہاں" تو سامع کو کہیں ابہام کا موقعہ نہیں ملتا - بلکہ وہ فوراً سمجھ جاتا ہے - کہ اس کا مطلب ہے - "ان کا مکان" اور یہ صفت فصاحت کی تعریف میں آتی ہے - اس لئے "ان کے یہاں" کی جگہ "ان کے ہاں" لکھنا اور بولنا چاہیئے -

اس کے علاوہ اس کی ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے - وہ یہ کہ اگر ضمیر غائب ہو تو "ان کے یہاں" لکھا جائے اور ضمیر حاضر ہو تو "ان کے ہاں"

وں :- اسم عدد کے آخر میں "وں" بڑھانے سے تعداد مکمل اور شمار تعدد وار ہو جاتا ہے - لیکن بعض لوگ اس طرح بولتے اور لکھتے ہیں -

میرے پاس جو چار کارتوس تھے - وہ ایک ایک کر کے سب چلا چکا ہوں -

آپ نے جو دس خندقوں کا حکم دیا تھا - میں دس خندقیں کھدوا چکا ہوں - اور کوئی باقی نہیں -

ہم تین آدمی بیٹھ گئے کوئی کھڑا نہیں رہا -

حالانکہ یہ تینوں فقرے فصاحت کی رو سے اس طرح درست ہوں گے :-

میں چاروں کارتوس چلا چکا ہوں -   میں دسوں خندقیں کھدوا چکا ہوں -

ہم تینوں آدمی بیٹھ گئے -

اس میں حرف اسم عدد کے آخر میں "وں" ملانے سے زور پیدا ہو گیا -

"کون" اور "کون سا"

استفہام میں اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ "کون" "کونسا" اور "کونسی" کو بلا امتیاز استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:۔

کون سا مکان جل گیا ہے۔

کون سا درخت گر گیا ہے۔

کونسی عورت بیمار ہے۔

کونسا لڑکا نہیں آیا۔

اس قسم کا استعمال روزمرہ کے خلاف ہے۔ استفہام میں "کون" ذی روح کے لئے اور "کونسا" یا "کونسی" غیر ذی روح کے لئے مخصوص ہے۔

کون سا مکان جل گیا۔

کون سا درخت گر گیا۔

کون عورت بیمار ہے۔

کون لڑکا نہیں آیا۔

۷

"اگرچہ"

بعض لوگ اگر کی جگہ "اگرچہ" کا استعمال روا سمجھتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ مثلاً:۔

اگرچہ تم وہاں نہ گئے تو نقصان ہو جائے گا۔

اگرچہ رات کو سردی زیادہ پڑی تو کیا ہو گا۔

انتظار کے بعد بھی اگرچہ وہ نہ آئے تو کیا ہو گا۔

ایسے موقعوں پر اگرچہ کا استعمال غلط ہے۔ اس کی جگہ صرف "اگر" ہونا چاہئے۔ مثلاً:۔

اگر تم وہاں نہ گئے تو نقصان ہو جائے گا۔

اگر رات کو سردی زیادہ پڑی تو کیا ہو گا۔

انتظار کے بعد اگر وہ نہ آئے تو کیا ہو گا۔

"اگرچہ" کا صحیح استعمال ان مقامات پر ہو گا۔ جہاں اگرچہ کے معنی "حالانکہ" نکلیں گے۔ مثلاً:۔

اگرچہ اناج مہنگا ہے لیکن خریدنا پڑتا ہے۔

میں رات ہی کو ڈاکٹر کے یہاں پہنچا اگرچہ اس کا گھر شہر سے دو میل تھا۔

اگرچہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔ مگر اس میں اتنی سکت باقی تھی کہ بیان دے سکے۔

اندر

کئی جگہ دیکھا گیا ہے - اور سنا جاتا ہے کہ لوگ " میں " کے موقع پر " اندر " کا لفظ استعمال کرتے ہیں - جو فصاحت کے خلاف ہے - مثلاً :-

اس گفتگو کے اندر یہ نقص ہے ۔

جب تم شادی کے اندر نہ شامل ہوئے تو پھر کب آؤ گے ۔

میرے سینے کے اندر آگ سی جل رہی ہے ۔

دل کے اندر درد ہو رہا ہے ۔

ان سب فقروں میں " اندر " کا استعمال درست نہیں بلکہ " اندر " کی جگہ " میں " ہونا چاہئے ۔

یہ فقرے اس طرح ہوں گے ۔

اس گفتگو میں یہ نقص ہے ۔

جب تم شادی میں نہ شامل ہوئے تو پھر کب آؤ گے ۔

میرے سینے میں آگ سی جل رہی ہے ۔

دل میں درد ہو رہا ہے ۔

اوپر

جو لوگ پر کی جگہ "اوپر" کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ حسنِ فصاحت سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ مثلاً :-

کبوتر چھت کے اوپر بیٹھا ہے۔
مکڑیاں کوٹھے کے اوپر پڑی ہیں۔
بکریوں کی ذمہ داری گڈریئے کے اوپر ہے۔
خوبصورتی اس کے اوپر ختم ہے۔
ہر قدم کے اوپر ایک کانٹا لگا۔
ہر سانس کے اوپر تجھے یاد کیا۔

یہ سب فقرے معیارِ فصاحت پر پورے نہیں اترتے انہیں اس طرح ہونا چاہیئے۔

کبوتر چھت پر بیٹھا ہے۔
مکڑیاں کوٹھے پر پڑی ہیں۔
بکریوں کی ذمہ داری گڈریئے پر ہے۔
خوبصورتی اس پر ختم ہے۔
ہر قدم پر ایک کانٹا لگا۔ ہر سانس پر تجھے یاد کیا۔

ہی

لفظ "ہی" کے استعمال میں بھی بعض لوگ سلیقہ نہیں رکھتے۔ مثلاً:۔

آپ گھر پر ہی رہتے تو اچھا تھا۔

آپ نے ہی وعدہ کیا تھا۔

میں ابھی مسافر خانہ میں ہی تھا۔

میرا بیگ ابھی ملازم کے ہی ہاتھ میں تھا۔

ان فقروں میں لفظ "ہی" بے محل استعمال ہوا ہے۔ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب کسی موقع پر زور دینا ہوتا ہے۔ تو لفظ "ہی" کو حروفِ مغیرہ سے پہلے لائیں گے۔ نہ کہ حروف مغیرہ دیگر الفاظ کے بعد یعنی مندرجہ بالا فقرے یوں ہوں گے:۔

آپ گھر ہی پر رہتے تو اچھا تھا۔

آپ ہی نے وعدہ کیا تھا۔

میں ابھی مسافر خانہ ہی میں تھا۔

میرا بیگ ابھی ملازم ہی کے ہاتھ میں تھا۔

اس طرح فقرے میں ندرت پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ذرا سی توجہ حسنِ تحریر کو دوبالا کر سکتی ہے

بعض اصحاب "نہ" کے بعد "ہی" کا استعمال کرتے ہیں۔ جو صحیح نہیں۔ مثلاً:۔

نہ ہی وہ آئے ۔ نہ ہی ہم پہنچے ۔

نہ ہی تم تھے ، نہ ہی میں گیا ۔

نہ ہی ماسٹر صاحب آئے ، نہ ہی اسکول کھلا ۔

یہ فقرے اصولاً درست نہیں ہیں یہاں نہ کے بعد ہی کا استعمال بالکل غیر موزوں ہے۔

انہیں اس طرح لکھنا چاہیئے ۔

نہ وہ ہی آئے ، نہ ہم ہی پہنچے ۔

نہ تم ہی تھے ۔ نہ میں ہی گیا ۔

نہ ماسٹر صاحب ہی آئے اور نہ اسکول ہی کھلا ۔

"ہی" کی ایک اور صورت بھی حشو ہوتی ہے ۔ مثلاً :۔

رات مشاعرہ میں صرف شاعر ہی تھے ۔

صرف اور ہی میں ایک کلمہ حشو ہے ۔ اسے یوں کہنا چاہیئے ۔

رات مشاعرہ میں صرف شاعر تھے ۔

یا پھر ۔ رات مشاعرے میں شاعر ہی تھے ۔

کہ - کہہ

کاف بیانیہ کو "کہ" اور فارسی کے نہ اور پہ کو تو اسی طرح لکھنا چاہئے۔ مگر اردو میں سہنا بہنا۔ کہنا کے صیغوں کو یوں لکھنا بہتر ہے۔ سہہ۔ بہہ۔ کہہ (سہہ گیا۔ کہہ گیا۔ بہہ گیا۔) اس سے اوپر لکھے ہوئے لفظوں سے التباس نہیں ہوتا۔

الف مقصورہ:- عیسیٰ۔ موسیٰ۔ یحییٰ وغیرہ اعلام سے قطع نظر جب یہ الف معمولی الفاظ کے بیچ میں واقع ہو تو سادہ شکل بہتر ہے۔ یعنی مولانا کو مولینا نہ لکھا جائے۔ عربی قاعدہ کی رو سے غلط نہیں مگر ایک قسم کی ناہمواری سی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس طرح بالکل، بالفعل اور فی الحال کو بلکل، بلفعل اور فلحال کہنے میں ہرج نہیں۔ اس طرح غرابت دور ہو جاتی ہے۔ اور اختصار بھی آجاتا ہے۔

پھر دوبارہ

بعض حضرات پھر کے ساتھ دوبارہ کا لفظ بھی لاتے ہیں جو سراسر زائد ہے۔

مثلاً:۔

میں پھر دوبارہ وہاں نہیں گیا۔

میں دوبارہ پھر آؤں گا۔

ماسٹر صاحب نے مجھے پھر دوبارہ نہیں مارا۔

حمید نے پھر دوبارہ گالی نہیں دی۔

ان فقروں میں "پھر" زیادہ ہے۔ یا "دوبارہ" دونوں صورتوں میں یہ فقرے اس طرح ہوں گے۔

میں دوبارہ وہاں نہیں گیا۔

میں دوبارہ آؤنگا۔

ماسٹر صاحب نے مجھے پھر نہیں مارا۔

حمید نے پھر گالی نہیں دی۔

لاحقوں کا غلط استعمال

لینا، دینا، پڑنا، چکنا، لگنا وغیرہ افعال کے لاحقے ہیں۔ مجرد فعل کے ساتھ ایک ہی لاحقہ استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن بعض لوگ دو دو لاحقے لکھتے اور بولتے ہیں۔ جو درست نہیں۔ مثلاً:۔

وہ یہ بات سن کر رونے لگ پڑے۔

وہ خط پڑھ کر ہنسنے لگ پڑے۔ وغیرہ

ان کی صحیح حالت یہ ہے۔ "وہ یہ بات سن کر رو پڑے" یا "وہ یہ بات سن کر رونے لگے۔ وہ خط پڑھ کر ہنسنے لگے۔ یا وہ خط پڑھ کر ہنس پڑے"۔ جیسا محل ہو۔

اس لفظ کا استعمال بار سماعت ہی نہیں بلکہ غیر فصیح بھی بنایا جاتا ہے۔ اور اس کے استعمال میں احتیاط لازم آتی ہے۔ یعنی

چل پڑا	کی جگہ	چل دیا	ہونا چاہیئے۔
ہنس پڑا	" "	ہنس دیا	"
چلتے چلتے گر پڑا	" "	چلتے چلتے گر گیا	" "
مجھے دیکھ کر رو پڑا	" "	مجھے دیکھ کر رو دیا۔	" "

یہ اصلاح اور نعم البدل درست مگر بعض جگہ "پڑا" میں بھی جوز ور ہے۔ وہ کسی دوسرے

لفظ میں نہیں ملتا۔ مثلاً :۔

ہمیں اٹھنا پڑا۔

ہمیں مرنا پڑا۔

بھگتنا پڑا۔

سیلاب میں تیرنا پڑا۔

سمجھنا پڑ گیا۔

سوچنا پڑا۔ وغیرہ

اب ان کی جگہ کوئی لفظ مکمل طور پر حاوی نہیں ہے۔ اس لئے "ہنس پڑا" کی جگہ "ہنس دیا" غیر موزوں نہیں مگر "چل دیا" اور "چل پڑا" پر غور کرنے سے ان دونوں لفظوں کا مقام الگ الگ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تبدیلی کلیہ نہیں بنتی۔

نہ ؛۔ قطعی انکار کے لئے بہت سے لوگ یوں بولتے اور لکھتے ہیں۔

میں یہ کہتا ہنسوں گا نہ وہ

لیکن اس میں جب تک "نہ وہ" سے پہلے "نہ یہ" نہ کہیں سامع ایک گو مگو کے عالم میں رہتا ہے۔ اس لئے فصاحت کا تقاضا ہے۔ کہ اسے یوں کہا جائے "میں نہ یہ کہتا ہنسوں گا نہ وہ" اس سے سامع کو انتشار کی زحمت نہیں ہوتی اور فقرہ فصیح ہو جاتا ہے۔

ناگوارا :۔ بعض لوگ گوارا کی ضد "ناگوارا" بولتے اور لکھتے ہیں۔ جو روزمرہ کے خلاف ہے۔ اس لئے "ناگوارا" کی جگہ "ناگوار" بولنا اور لکھنا درست ہے۔

مثلاً

مجھے اس کا یہاں آنا ناگوار ہے۔
اسے میرا جانا ناگوار گذرا۔

"بے" اور "نا"

بےؔ اور ناؔ دونوں حرف نفی ہیں۔ لیکن محل استعمال میں بعض لوگ غلطی کرتے ہیں۔
مثلاً "اسے بے حق مارا" غلط ہے۔ "اسے ناحق مارا" کہنا چاہیے۔ اسی طرح بے وقوف کو ناوقوف
بے وقت کو ناوقت بے موقع کو ناموقع کہنے والے غلطی پر ہیں۔ ایسے موقعوں پر قواعد سے
بحث کرنا درست نہیں کیونکہ روزمرہ قواعد سے بچ کر چلتا ہے۔

نے :۔ "نے" کے استعمال پر اہل پنجاب اور یوپی کا اختلاف ہے۔ مثلاً اہل زبان کہتے ہیں۔
"مجھے جانا ہے"۔ اسی فقرے کو اہل پنجاب کہتے ہیں "میں نے جانا ہے"۔ اوّل تو "مجھے جانا ہے"
روزمرہ ہے۔ روزمرہ قواعد کا پابند نہیں ہوتا دوسرے قواعد کی رو سے "نے" علامت فاعل ہے۔
اس لئے اس کا اس جگہ لانا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

یہ بھی درست ہے کہ (فواد رنوں کی طرح) "نے" بھی تمام اپ بھرنشں زبانوں اور بولیوں
میں مفعول کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب کی زبان میں سورسینی پراکرت اور اس کی اپ
بھرنشں کے آثار ذی روح اور زود اثر ملتے ہیں۔ اسلئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور اس کا
استعمال پرانا ضرور ہے۔ غلط نہیں ادھر تو قواعد کی رو سے "نے" کا استعمال غلط دوسرے روزمرہ
ناقابل تردید اور ادھر اپ بھرنشں میں "نے" کو علامت مفعولی کہتے بن پڑتی ہے۔ اس لئے اس کا
فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے۔

اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ "مجھے جانا ہے" میں استقبال کا عنصر حاوی ہے۔ اور مستقبل کی حیثیت خبریہ ہوتی ہے۔ اور جس کام کی خبر کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا جبر یا قدر دونوں میں سے کسی ایک سے متاثر ہونا لازمی ہے۔ اس لئے جب مجبوری ہو اور مقام مفعولیت چاہتا ہو تو "مجھے" کا استعمال صحیح سمجھا جائے۔ اور جہاں قدرت اور اختیار حاصل ہو وہاں "نے" لکھا جائے۔ لیکن اس طرح کا استعمال نئی چیز ہوگی۔ اور روزمرہ سے خارج اگر روزمرہ اسی اسلوب اور چال کو کہتے ہیں۔ جو اہل زبان میں رائج ہے۔ اور اس کے خلاف استعمال غلط ہے۔ تو یہ اجتہاد بدعت ہوگا۔ ورنہ جدت کا تقاضا ہو۔

۹۹:۔ بعض حضرات اس طرح لکھتے ہیں کہ "ہر وہ آدمی وہاں جا سکتا ہے۔ جس کی جیب میں روپیہ ہے۔" اس میں "وہ" نہ تو زور پیدا کرتا ہے۔ نہ معنویت میں کوئی اضافہ کرتا ہے۔ اس کا ترک بہتر ہے۔ یعنی

وہاں ہر آدمی جا سکتا ہے۔ جس کی جیب میں روپیہ ہے۔

تانیثِ مصدری

یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ فعل متعدی میں فعل کی تجنیس مفعول کی تجنیس کے مطابق ہو گی۔

جیسے :۔

قمر نے شمشیر اٹھائی۔

نجم نے روٹی کھائی۔

ارشد نے سیب خریدا۔

لیکن بعض بعض جگہ اسم مؤنث کے ساتھ فعل مؤنث کو غیر فصیح خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً :۔

تمہارے لئے دوا پینی مفید ہے۔

اسے غیر فصیح اس لئے بتایا جاتا ہے۔ کہ ان کی نظر میں علامتِ مصدری کا تغیر روا نہیں وہ اسے بحال خود رکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی "تمہارے لئے دوا پینا مفید ہے" کہنا روا جانتے ہیں۔ اوّل تو یہ کلیہ ہی غلط ہے۔ کہ مصدر کا تغیر روا نہیں۔ کیونکہ حروف مغیرہ مصدر کی ہیئت بھی بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کلیہ کے نہ ماننے والے بھی اگر غور کریں تو بہت سی جگہوں پر وہ مصدر کی صورت بدلتے ہیں۔ مثلاً :۔

گاڑی چلنے میں کیا دیر ہے۔

آپ کے جانے میں کتنے دن ہیں۔
مجھے ساتھ لے جانے میں کیا ہرج تھا۔
مجھ سے پہنچاننے میں غلطی ہوئی۔
میں تو اٹھنے ہی کو تھا۔

مندرجہ بالا فقرات ہر جگہ یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جو لوگ مصدر کی تغیر کے قائل نہیں وہ نہ جانے ان فقروں کی جگہ کون سے فقرے بولتے ہوں گے۔ مگر ان کے ہاں بھی یہی استعمال درست ہے۔ تو تغیر مصدر کا کلیہ کہاں گیا؟

اس کے علاوہ اس میں ایک اور خرابی بھی پیش آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم "دوا پینی" کو "دوا پینا" کہیں تو دوا مذکر ہوئی جاتی ہے۔ جو کسی صورت سے بھی اصول فصاحت میں نہیں۔ لہٰذا فعل کی تجنیس مفعول کی تجنیس کے مطابق ہوگی اور جب ایک فقرے میں ایک سے زیادہ فاعل ہوں تو اس میں فعل "آخر فاعل" کی تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کے مطابق آئے گا۔

جیسے "ماحول اور آب و ہوا کے باعث انسان کا مزاج اور طبیعتیں بنتی ہیں" اس میں چونکہ مزاج اور طبیعتیں دو فاعل ہیں۔ اس لئے فعل آخر کے فاعل کی مناسبت سے آیا ہے۔
اگر مزاج اور طبیعتیں کی جگہ طبیعتیں اور مزاج ہوتا تو فعل "بنتے ہیں" آتا۔ بعض بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

"صبح خیزی ان کا معمول تھا۔

اس میں چونکہ معمول مذکر ہے۔ اس لئے وہ فعل کو مذکر بولتے ہیں۔ حالانکہ فاعل مونث

ہے۔ اور اس لحاظ سے فعل مؤنث ہونا چاہئے۔ لیکن یہ اس قدر مانوس ہو چکا ہے کہ قاعدہ کی طرف نظر نہیں جاتی اور معمول کی تذکیر گوارا ہو جاتی ہے۔ قریب قریب یہ فقرہ تو غلط العام سا ہو گیا ہے۔

تو - لیکن

بعض جگہ "تو" اور "لیکن" زائد ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی صحت اور زورِ تحریر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً:۔

اس نے تو آپ کو تلوار دے دی تھی۔ لیکن آپ نے ہی انکار کر دیا۔

اس فقرے میں سے اگر تو اور لیکن نکال دئے جائیں تو زورِ تحریر مفقود ہو جائے گا۔ مگر بعض بعض لوگوں نے نہ جانے اس حسن کو بھی کیوں عیب میں شمار کر لیا ہے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ میں ایسی جگہ "تو" اور "لیکن" کے استعمال کو روا خیال کرتا ہوں۔

رہا - رہتا

بعض فصحا کے نزدیک بعض بعض فقروں میں "رہا" کا استعمال غیر فصیح ہے - مثلاً:-

وہ رات بھر روتا رہا -

وہ صبح تک ہنستا رہا -

تم کل رات بھر ہنستے رہے -

ان میں "رہا" اور "رہے" کا استعمال ثقیل بتایا جاتا ہے - اور ان کی اس طرح اصلاح کی ہے -

وہ رات بھر رویا کیا -

وہ صبح تک ہنسا کیا -

تم کل رات بھر ہنسا کئے - وغیرہ

لیکن میرے خیال سے "رہا" میں تسلسل و تواتر کی شدت ہے - اسی طرح:-

عمر رات بھر روتا رہتا ہے -

اس فقرے کو ثقیل گردان کر "عمر رات بھر رویا کرتا ہے" کو فصیح بتایا جاتا ہے - اس میں شک نہیں کہ "روتا رہتا ہے" کے مقابلے میں "رویا کرتا ہے" ذرا موسیقی رکھتا ہے - لیکن اس کے پورے مفہوم پر حاوی نہیں ہے - اسکے علاوہ کرتا ہے میں اختیار اور مشغلہ دونوں پائے جاتے ہیں -

سا۔ ایسا اور ایسے

دیکھنے اور سننے میں آتا ہے۔ کہ لوگ سا۔ ایسا اور ایسے کی جگہ جیسا اور جیسے لکھتے اور بولتے ہیں۔

تم جیسا حسین کون ہے۔
مجھ جیسوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔
اس جیسا قابل وہاں کون ہے۔
اُن جیسوں کی وہاں کیا قدر ہے۔

اگرچہ جیسے کا استعمال ایسے موقع پر محلِ فصاحت بتایا جاتا ہے۔ مگر اس کا دونوں طرح استعمال ہے۔ یعنی:۔

تم سا حسین کون ہے۔
یا — تم ایسا حسین کون ہے۔
اور — تم جیسا حسین کون ہے۔

تینوں صورتیں موقع اور محل کے لحاظ سے مستعمل ہیں۔

لفظ "حد" کا استعمال

عرصہ سے لفظ "حد" اپنی حدود سے باہر ہو کر غلط موقعوں پر استعمال ہو رہا ہے مثلاً:-

۱ ان سے کچھ حد تک راہ و رسم ہو گئی - یعنی تھوڑی بہت
۲ وہ بڑی حد تک مشہور ہو چکا تھا - یعنی بہت کچھ
۳ وہ ایک حد تک تو رضامند ہو گیا ہے - قریب قریب - کچھ تو
۴ کسی نہ کسی حد تک تو یہ بات ان تک پہنچ جاتی - کچھ نہ کچھ

یہ لفظ "حد" کا معقول استعمال نہیں یہ لفظ اردو میں انتہا اور بساط کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یا پھر جمع ہو کر حدود اور حدود اربعہ کے معنی جو ایک اصطلاح ہے جغرافیے کی، جو چار سمتوں کے معنی میں مستعمل ہے اور حدود کہیں کہیں چار دیواری کے لئے ہیں ورنہ اس کا صحیح استعمال تو یوں ہوتا ہے۔

۱ حد ہو گئی کہ وہ اب تک نہیں آتے -
۲ مجھے ان سے مل کر از حد افسوس ہوا یا بے حد افسوس ہوا۔
۳ جب وہ اپنی حد سے بڑھنے لگے تو میں نے گھور کر دیکھا۔
۴ وہ حد سے زیادہ دوستوں کی تواضع کرتے ہیں۔
۵ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔
۶ اس نے ایثار میں حد کر دی۔

ساتھ

کہیں کہیں ایسے فقرے بھی دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں :۔

وہ جوتے کے ساتھ اندر چلا آیا۔

وہ قمیض کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔

وہ نکٹّر کے ساتھ ہی اسکول چلا گیا۔

اس قسم کے فقرے فصاحت کے دائرے میں نہیں آتے۔ انہیں اس طرح کہنا چاہیئے:۔

وہ جوتے سمیت اندر چلا آیا۔

وہ قمیض پہنے گھر سے نکل آیا۔

وہ نکتہ پہنے ہی اسکول چلا گیا۔

"میں" کا زائد استعمال

"میں" کا زائد استعمال بھی قابلِ ترک ہے۔ مثلاً:۔

سامان اسی جگہ میں رکھدو۔

اسی جگہ میں ہم بھی سو گئے۔

وہ بھی اسی جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس قسم کے تمام فقروں میں "میں" کا استعمال درست نہیں یہ فقرے اس طرح ہونگے۔

سامان اسی جگہ رکھدو۔

اسی جگہ ہم بھی سو گئے۔

وہ بھی اسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

اور فصاحت کا تقاضا تو یہ ہے کہ "اسی جگہ" نہیں بلکہ "وہیں" کا استعمال کیا جائے۔

۵

پر

بعض حضرات کئی صورتوں میں "پر" کا زائد استعمال روا رکھتے ہیں۔

مثلاً:۔

جہاں وہ ہیں۔ وہیں پر ہم ہوں گے۔

وہیں پر تو وہ بیٹھا تھا۔

دوات اور قلم اسی جگہ پر رکھ دو۔

دس بجے پر دفتر جانا ہے۔

اس طرح پہ تو فیصلہ نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا تمام فقروں میں "پر" زائد ہے۔ اس قسم کے فقرے فصیح نہیں کہلائے جا سکتے۔

انہیں اس طرح لکھنا اور بولنا چاہیئے:۔

جہاں وہ ہیں۔ وہیں ہم ہیں۔

وہیں تو وہ بیٹھا تھا۔

دوات قلم اسی جگہ رکھ دو۔

دس بجے دفتر جاتا ہے۔

اس طرح تو فیصلہ نہیں ہوتا۔

متقدمین نے "پر" کو لیکن کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے۔ مگر وہ ترک ہو چکا ہے۔ اگرچہ بعض بعض اب بھی بولتے ہیں۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ "لیکن" کے مقابلہ میں "پر" ہلکا آسان اور خوبصورت لفظ ہے۔ شعر میں جہاں "لیکن" کی گنجائش نہیں ہوتی "پر" کی جگہ نکل آتی ہے۔ مثلاً مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

موت آتی ہے پر نہیں آتی

مجھے بھی انہیں حضرات سے اتفاق ہے۔ جو "پر" کی حمایت میں ہیں۔ احسان دانش

"سے"

"میں" کی جگہ "سے" کا استعمال بھی عیبِ فصاحت ہے۔ لیکن بعض لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے۔ مثلاً:-

چادر سے منہ لپیٹ کر سو گئے۔

اس فقرے میں "سے" کی جگہ "میں" فصیح ہے۔ یعنی
چادر میں منہ لپیٹ کر سو گئے۔

کئی مقامات پر اس کا استعمال بالکل بے محل اور غیر موزوں ہوتا ہے۔ مثلاً:-

سب اپنے دل کے ہاتھوں سے تنگ ہیں۔

اس نے مجھے گلے سے لگا لیا۔

ہم اپنے ہاتھوں سے آپ تباہ ہوتے ہیں۔

دو دوست گلے سے مل رہے ہیں۔

اگر وہاں پہنچ جائیں تو مٹی ٹھکانے سے لگ جائے۔

ان سب فقروں میں "سے" زائد ہے۔ یہ فقرے اس طرح فصیح اور درست ہوں گے۔
سب دل کے ہاتھوں تنگ ہیں۔

دو دوست گلے مل رہے ہیں۔

ہم اپنے ہاتھوں آپ تباہ ہوئے ہیں۔

اگر وہاں پہنچ جائیں تو مٹی ٹھکانے لگ جائے۔

ذریعہ اور وسیلہ کے ساتھ اگر "سے" نہ لکھا جائے۔ تو نقص تحریر ہے۔ لیکن بعض بے تکلف لکھتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً :-

میں آپ کے ذریعہ یہاں پہنچا۔

وہ ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان پہنچ گئے۔

ان کے وسیلے میں یہاں رک گیا۔

ایسے فقروں میں "سے" کا استعمال ضروری ہے۔ یہ فقرے اس طرح ہونے چاہئیں۔

میں آپ کے ذریعہ سے یہاں پہنچا۔

وہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سے پاکستان پہنچ گئے۔

ان کے وسیلہ سے میں یہاں رُک گیا۔

"کو"

بعض بعض مقام پر "کو" بھی زائد میں شمار ہوتا ہے۔ مثلاً :۔

گلاس کو بھر دیا۔

منہ کو پھیر دیا۔

ناک کو صاف کر دیا۔

کتاب کو آگے دھرے بیٹھے ہیں۔

ان اور اس قسم کے تمام الفاظ میں "کو" زائد ہے۔ ضمائر کے ساتھ بھی "کو" کا استعمال فصحاء اور محتاط قسم کے لوگوں میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً :۔

ان کو کبوتر بازی کا شوق ہے۔

مجھ کو ان سے ضروری کام تھا۔

ہم کو عدالت میں جانا پڑا۔

تجھ کو اس سے کیا کام ہے۔

ان فقروں میں ان کو، ہم کو، مجھ کو اور تجھ کو سب غیر فصیح ہیں۔ ان کی جگہ یہ فقرے یوں

ہونے چاہئیں۔

انہیں کبوتر بازی کا شوق ہے۔

ہمیں عدالت میں جانا ہے۔

مجھے ان سے ضروری کام تھا۔

تجھے اس سے کیا کام ہے۔

جب کسی اسم کے آخر بحالتِ واحد الف اور ہائے مختفی کی جگہ یائے مجہول استعمال کیا جائے تو اس صورت میں حرفِ جار "کو" کا استعمال درست ہو گا۔ مثلاً

گھوڑے کو پکڑ لیا۔

جوتے کو بند کر دیا۔

کرتے کو پہن لیا۔

میں تھا جو اس صدمے کو اٹھا گیا۔

یہ شمع کعبے کو جلا رہی تھا کہ خیال آیا۔

وہ آئینے کو دیکھ کے شرمندہ ہو گیا۔

اگر یائے مجہول علامتِ جمع کے طور پر ہو تو اس صورت میں "کو" نہیں آئے گا۔

مثلاً

اس نے گھوڑے دوڑائے۔

میں نے ہزاروں صدمے سہے۔

وہ تارے توڑ لائے گا۔

اگر علامت جمع "وں" ہوگی۔ "ت" کو حذف نہیں ہوگا۔ خواہ جمع، مؤنث ہو یا مذکر۔ مثلاً

دیگچوں کو توڑ دو۔

سلاخوں کو نکال دو۔

بتوں کو توڑ دینا پڑے گا۔

غموں کو اٹھانا ہی ہوگا۔

حسرتوں کو رد بیٹھا ہوں۔ وغیرہ

ہاں اگر اسم مؤنث کے ساتھ جمع کی علامت "یں" آئے تو "ت" کا استعمال نہ ہوگا۔ مثلاً

دوائیں میز پر رکھ دو۔

میں نے برساتیں گنا دیں۔

میں حسرتیں نکالتا رہا۔

شمعیں گل کر دو۔

وغیرہ

بہت سے مقامات پر "کہ" کا استعمال بھی زائد ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

جب کہ آپ نے سن لیا تھا تو جواب کیوں نہیں دیا۔

حالانکہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے۔ کہ

جب آپ نے سن لیا تھا، تو جواب کیوں نہیں دیا۔

لیکن فصحاء میں اس کا استعمال چلا آتا ہے۔ اگر یہ احتیاط لازم سمجھ لی جائے تو تحریر میں حسن اور تقریر میں رس کا اضافہ ہو جائے گا۔

یا - کہ

بہت لوگ اپنی تحریر میں "یا کہ" کا استعمال روا خیال کرتے ہیں۔ اس میں ایک ٹکڑا زائد ہے۔

مثلاً:-

وہ یہاں آئیں گے یا کہ میں وہاں جاؤں۔

اِس فقرے میں۔ "یا" کے کم کرنے سے فصاحت آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

وہ یہاں آئیں گے کہ میں وہاں جاؤں۔

یا

وہ یہاں آئیں گے یا میں وہاں جاؤں۔

"یا" اور "کہ" کا یکجا استعمال نقصِ فصاحت ہے۔

"گی"

جن الفاظ کے آخر ہائے ہوز ہو۔ اُن پر "گی" کا اضافہ درست ہے۔ اور جن کے آخر میں ہائے ہوز نہیں اُن پر "گی" لگا کر حاصل مصدر بنانا غلط ہے۔ مثلاً:۔

پیشہ سے پیشگی
دیوانہ " دیوانگی
پروانہ " پروانگی
نغمہ " نغمگی

یہ سب درست ہیں لیکن مندرجہ ذیل یا اسی قسم کے الفاظ جن کے آخر میں ہائے ہوز نہیں اور "گی" لگا دیا گیا غلط ہیں مثلاً:۔

تداض سے ناراضگی نہیں بلکہ ناراضی درست ہوگا
حیران " حیرانگی " " حیرانی " "
ویران " ویرانگی " " ویرانی " "
ادا " ادائگی " " ادائی " "
میخوار " میخوارگی " " میخواری " "
عیار " عیارگی " " عیاری " "

مگر خفگی۔ ناراضگی اور ادائیگی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو اصولاً غلط مگر فصحاء کے یہاں مستعمل ہیں۔

"نا"

فارسی میں یہ علامت نفی بعض مرکب الفاظ میں مطلق بے محل استعمال ہوتی ہے۔ جس کے لئے احتیاط لازم ہے۔ مثلاً

ناعاقبت اندیش۔ ناقدرشناس

نامرد آشنا۔

ان فقروں میں نا کا لفظ بے محل ہے۔ انہیں اس طرح لکھنا چاہیئے۔

عاقبت نااندیش۔ قدرناشناس

مرد ناآشنا۔

نم

یہ فارسی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں "تری" لیکن اردو میں "تر" کے معنی میں مستعمل ہے۔ جو فارسی قاعدہ سے درست نہیں مگر اردو میں درست ہے۔ یعنی اگر ہم یہ کہیں کہ "آنکھ نم ہو گئی" تو درست ہے۔ لیکن "چشم نم" صحیح نہیں اس لئے فارسی الفاظ کے ساتھ "نم" کا استعمال قابلِ احتیاط ہے۔

مصدر کے ساتھ "نے" کا استعمال

اردو مصدروں کے ساتھ "نے" کا استعمال درست نہیں۔

میں نے جانا ہے۔

میں نے سونا ہے۔

میں نے لکھنا ہے۔

میں نے کھانا ہے۔

یہ سب غلط ہیں۔ ان کی جگہ :۔

مجھے جانا ہے۔

مجھے سونا ہے۔

مجھے لکھنا ہے۔

مجھے کھانا ہے۔

کہنا چاہئے اگر ضمیر کی جگہ کوئی نام ہو تو وہاں "کو" کا استعمال ہوگا۔ مثلاً :۔

اسلم کو جانا ہے۔

تنویر کو لانا ہے۔ وغیرہ

ہمیں ۔ تمہیں

جس طرح "اُس ہی" کا مخفف اُسی

"اِس ہی" " " اِسی

"وہ ہی" " " وہی

"یہ ہی" " " یہی

اسی طرح "تجھ ہی" کا مخفف تجھی

"ہم ہی" " " ہمی

"تم ہی" " " تمی

"مجھ ہی" " " مجھی

سب کے سب ایک ہی ڈگر پر آ رہے ہیں۔ دیکھو اب

"تم ہی" کا مخفف تمہیں

"ہم ہی" " " ہمیں

"اُن ہی" کا مخفّف انہیں

لکھا جاتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ وضع کر لیا ہے۔ تو اس ہی کے مخفّف کو "اسے" یہیں ہی کے مخفف کو "وہیں" اور "یہ ہی" کے مخفّف کو "یہیں" کیوں نہیں لکھتے۔

اُس ہی۔ وہ ہی۔ اِس ہی۔ یہ ہی۔

اس میں تو شک نہیں کہ اصل لفظ یہ اسی حالت میں درست ہیں۔ اور اس حالت میں زور بھی پایا جاتا ہے۔ مگر روانی نہیں ہے۔ اس لئے فصحا اُسی۔ وہی۔ اسی۔ یہی۔ استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ مخصوص موقعوں پر اصل لفظ بھی روا رکھتے ہیں۔ اگرچہ اس میں روانی مفقود ہوتی ہے۔ مگر روانی کو محض استعمال پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

ہوا - ہوئی - ہوئے

یہ لفظ زوائد انشاء میں سے ہیں۔ ان کا استعمال غیر فصیح ہے۔ اہل زبان اور فصحاء کے یہاں یہ زائد الفاظ نہیں ہوتے جس سے تحریر کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ لیکن عوام میں زائد الفاظ کا استعمال بکثرت ہے۔ مثلاً:-

میں کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھتا رہتا ہوں۔
روٹی چھینکے پر رکھی ہوئی ہے۔
وہ میلے گئے ہوئے ہیں۔
وہ منہ چھپائے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

ایسے تمام موقعوں پر "ہوا"، "ہوئی" اور "ہوئے" زائد الفاظ ہیں۔ صحیح فقرے اس طرح ہوں گے۔

میں کرسی پر بیٹھا دیکھتا رہتا ہوں۔
روٹی چھینکے پر رکھی ہے۔
وہ میلے گئے ہیں۔
وہ منہ چھپائے نکل جاتے ہیں۔

ا

"لا"

عربی حرف نفی

"لا" کے معنی ہیں۔ "نہیں" "بے" "نا" جس طرح "ال" جو عربی اضافت ہے۔ صرف عربی الفاظ کے ساتھ استعمال ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عربی کا حرف نفی "لا" عربی کے سوا کسی دوسری زبان کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتا۔ چراغ الدین۔ مہتاب الدین۔ گلاب الدین۔ لال الدین وغیرہ سب بے قاعدہ ہیں۔ انہیں چراغدین۔ مہتاب دین۔ گلاب دین اور لعل دین لکھنا چاہیئے۔ فارسی اور ہندی کے ساتھ جہاں جہاں "لا" استعمال ہو۔ وہ بھی قطعاً غلط ہے۔ مثلاً:۔

لاپرواہ۔ لاچار۔ لاپتہ یہ سب غلط ہیں۔ ان کی جگہ بے پروا، بے پتہ اور ناچار لکھنا چاہیئے۔

البتہ فارسی حرف نفی "بے" اور "نا" عربی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے۔ نااہل نابالغ۔ نامعلوم۔ بے عقل۔ بے نور۔ بے دین۔ بے ایمان۔ ناروا وغیرہ۔

اس کے علاوہ فارسی نفی کی علامت "بے" اردو ہندی کے ساتھ بھی استعمال ہوتی ہے مثلاً:۔

بے سمجھ۔ بے ڈھب۔ بے ڈھنگا۔ بے پریت۔ بے چینی۔ بے پیسہ۔

عربی اضافت

عربی اضافت " ال " صرف انہیں دو الفاظ کے درمیان آتی ہے ۔ جو دونوں عربی کے ہوں ۔ اگر ایک حرف عربی کا ہو ایک کسی دوسری زبان کا ۔ تو عربی اضافت کے قاعدے کی رو سے غلط ہوگا ۔
جیسے قریب المرگ ۔ گنج العرش ۔ فوق البھڑک ۔ وغیرہ

ان میں ایک ایک حرف عربی کا ۔ اور ایک ایک دوسری زبان کا ہے ۔ اس لئے عربی قاعدے کی رو سے یہ اور اس قسم کے تمام الفاظ غلط ہوں گے ۔

عربی میں جمع

عربی میں دوؔ سے زیادہ کے لئے "جمع" کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی تینؔ سے جمع شروع ہوتی ہے۔ اس لئے جو لوگ دو کو جمع لکھتے ہیں غلط ہے۔ مثلاً :۔

دو اشعار ۔ دو احکام ۔ دو اموات

دو افراد ۔ دو افکار دو امثال

دو خیالات ۔ دو بیانات ۔ دو سوالات

یہ سب خلافِ اصول ہیں۔ کیونکہ جمع تینؔ سے شروع ہوتی ہے۔ انہیں اس طرح کہنا چاہئے

دو شعر ۔ دو حکم ۔ دو موت

دو فرد ۔ دو فکر ۔ دو مثال

دو خیال ۔ دو بیان ۔ دو سوال

دو ذکر وغیرہ

عربی الفاظ کی جمع الجمع اردو قاعدے سے

کہیں کہیں عربی الفاظ کی جمع کو اردو طریق پر جمع الجمع بنا دیا جاتا ہے۔ یہ خلاف اصول اور قابلِ ترک ہے۔ مثلاً :-

واحد	جمع	جمع الجمع
ولی	اولیاً	اولیاؤں
غیر	اغیار	اغیاروں
نبی	انبیاء	انبیاؤں
ظلمت	ظلمات	ظلماتوں
سر	اسرار	اسراروں
حس	حواس	حواسوں
طیر	طیور	طیوروں

یہ اصول جمع غلط ہے۔ اور فصحاء میں اس قسم کے نقائص نہیں پائے جاتے۔

جمع الجمع

بعض لوگ عربی الفاظ کی جمع کو پھر جمع بنا کر جمع الجمع استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ جمع الجمع کا قاعدہ مسلمہ ہے۔ لیکن اس قسم کی جمع خلافِ فصاحت ضرور ہے۔

وجہ	سے	وجوہ	اور	پھر	وجوہات
رسم	″	رسوم	″	″	رسومات
اصل	″	اصول	″	″	اصولات
امر	″	امور	″	″	امورات
دوا	″	ادویہ	″	″	ادویات

عربی اور فارسی الفاظ کے درمیان "اور"

اکثر تحریروں میں عربی اور فارسی تحریر کے درمیان "اور" بھی لکھا جاتا ہے۔ وہ غلط تو نہیں لیکن بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ وہاں واؤ عطف ہی وجہ فصاحت ہوتا ہے۔ مثلاً

جور و جفا۔ جسن و عشق۔ علم و عمل۔ شادی و غم۔ رد و بدل۔ رنج و راحت۔ پیچ و خم۔ رگ و پے۔ دین و دنیا۔ لازم و ملزوم۔ سنگ و خشت وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ میں واؤ معطوف کی جگہ "اور" کا استعمال نقصِ انشا ہے۔ یہ واؤ عطف تو مفرد الفاظ کے درمیان کا ہوا۔ مگر جب ایک لفظ مفرد اور دوسرا مرکب ہو یا دونوں مرکب ہوں۔ اس وقت اردو تحریروں میں تو واؤ عطوف کی جگہ اور کا استعمال صحیح ہوگا۔ مثلاً

آنکھ کی دل کو اور دل کی آنکھ کو خبر ہوتی ہے۔

حاکم بے انصاف و رعایا معصوم ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا فقروں میں واؤ کی جگہ "اور" کا استعمال صحیح و فصیح ہوگا۔ اور انہیں یوں لکھیں گے۔

آنکھ کی دل اور دل کی آنکھ کو خبر ہوتی ہے

حاکم بے انصاف اور رعایا معصوم ہوتی ہے۔

فارسیّت

بہت سے لوگ عربی فارسی اضافات، تراکیب اور روابط سے اردو کلام کو بے ضرورت سنوارتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ منشی یا محرر اردو میں مہارت نہیں رکھتا۔ مثلاً

۱ بمشورۂ ہیڈ ماسٹر امتحان نہیں دیا گیا۔

۲ میں خود ہی سیلابِ حوادث میں بہہ گیا۔

۳ میں بہ ایں عالمِ شباب کبیدہ خاطر رہا۔

ان تینوں فقروں میں فارسی ترکیب و اضافت بے محل آئی ہیں۔ یہاں سیدھی سادی اردو ہی ہوتی تو اچھا تھا۔ یعنی

۱۔ ہیڈ ماسٹر کے مشورہ سے امتحان نہیں دیا گیا۔
۲۔ میں خود ہی حوادث کے سیلاب میں بہہ گیا۔
۳۔ میں اس شباب کے عالم میں کبیدہ خاطر رہا۔

فارسی اضافت

اگر ایک لفظ عربی ہو اور دوسرا فارسی تو اس میں فارسی اضافت لگانا قاعدہ سے باہر نہیں - یعنی چراغ الدین کو چراغِ دین - مہتاب الدین کو مہتابِ دین - قریب المرگ کو قریبِ مرگ اور گنج العرش کو گنجِ عرش کہنا درست ہے -

البتہ عربی فارسی اور ہندی الفاظ کے درمیان فارسی اضافت درست نہیں یعنی عرقِ سونف برگِ مہندی - حلوۂ بیٹھا - گشتۂ مونگا سب غلط ہیں - اسی حالت میں اردو اضافت کا - کے - کی سے کام لینا چاہئے یعنی عرقِ سونف کو سونف کا عرق - حلوۂ بیٹھا کو بیٹھے کا حلوہ اور برگِ مہندی کو مہندی کے پتے کہنا چاہئے -

فارسی حروفِ علّت "الف" اور "واؤ" کا حذف

فارسی الفاظ راہ ۔ سیاہ ۔ گناہ ۔ نگاہ ۔ شاہ ۔ کاہ ۔ ماہ ۔ گاہ ۔ سپاہ ۔ کوہ ۔ ہوش وغیرہ کے حروفِ علّت الف اور واؤ کا حذف صرف اس صورت میں جائز ہے ۔ جبکہ وہ کسی فارسی ترکیب کے ساتھ ہوں ۔ مثلاً رہِ دوست ۔ غرقِ گنہ ۔ تیرِ نگہ ۔ بادشہ ۔ کہ در ۔ نگہِ تیز ۔ زلفِ سیہ ۔ کہسار ۔ درگہہ ۔ پیرِ مغان ۔ ہشیار وغیرہ ۔

ورنہ بطور مفرد ایسے تمام الفاظ کے حروفِ علت یعنی الف اور واؤ کا حذف جائز نہیں وہ بدستور استعمال ہوں گے اور وہی حسنِ فصاحت ہوگا۔

اُردو الفاظ میں فارسی ترکیب

اُردو الفاظ کے ساتھ فاعلیت کا صیغہ لگا دیا جاتا ہے۔ جو قطعاً غلط ہے۔ مگر کئی الفاظ ایسے ہیں۔ جو غلط العام میں آ گئے۔ اور فصحاء کے یہاں بے تکلف مستعمل ہیں۔

مثلاً :-

چمکدار ۔ بھڑک دار ۔ لچکدار ۔ سمجھ دار

سنسنی خیز ۔ جھالردار ۔ کامدار ۔ ٹھاٹھ دار

چکردار ۔ لچھے دار ۔ پاٹ دار ۔ وغیرہ

حالانکہ ان میں چمک ۔ بھڑک ۔ لچک ۔ سمجھ ۔ سنسنی ۔ جھالر ۔ کام ۔ ٹھاٹھ ۔ چکر ۔ لچھے اور پاٹ اردو الفاظ ہیں اور ان کے ساتھ دار اور خیز فارسی ۔ علامت فاعل جو اصولاً غلط ہے ۔ انہیں اردو طریق پر سمجھ دار کی جگہ سمجھ والا ۔ اور سنسنی خیز کی جگہ سنسنی پیدا کرنے والا کہنا چاہئے ۔ لیکن لچکدار کی جگہ لچک رکھنے والا ۔ اور بھڑک دار کی جگہ بھڑک رکھنے والا موزوں اور مناسب معلوم نہیں ہوتے ۔ البتہ چمکیلا ۔ بھڑکیلا ۔ لچکیلا ۔ وغیرہ آ سکتے ہیں ۔ مگر جھالردار ، لچھے دار اور پاٹ دار کی جگہ اردو ترکیب پوری نہیں اترتی ۔

اسی طرح ٹھیکیدار - اجارے دار - چٹھی رساں - کوچبان - ڈاک خانہ - اگال دان - پیک دان پان دان اور گاڑی بان وغیرہ - اپنی جگہ پیدا کر چکے ہیں - انہیں ٹکسال باہر کرنے کی ضرورت نہیں - اگر اردو زبان کو ہمارے پیشِ نظر عالمگیر زبان بنانا ہے - تو نہ جانے اور کس کس زبان کے قاعدے کے مطابق چلنا پڑے گا - اور ہمیں امید ہے کہ اگر کبھی دنیا میں کوئی عالمگیر مذہب قرار پا سکتا ہے - تو اس مذہب کی زبان یہی زبانِ متحدہ ہو گی - جو کہ مشترکہ زبانوں سے پیدا ہوئی ہے - اور دنیا بھر کی زبانوں کے سائے میں سانس لے رہی ہے -

فارسی اضافت اردو کے ساتھ

بہت سے لوگ فارسی الفاظ کو اردو الفاظ کے ساتھ فارسی اضافت سے لکھتے ہیں - اور پھر اسی سلسلے میں اردو اضافت بھی لگا دی جاتی ہے - جو غلط اور قابلِ احتیاط ہے - مثلاً

بادجود اس قدر کوشش کے میں کامیاب نہ ہو سکا -
بغیر کسی رکاوٹ کے آپ وہاں پہنچ جائیں گے -
بحیثیت ایک خادم کے زید کا فرض تھا -
بقول تمہارے اِس کا یہی رویہ ہے -
وہ مع جوتے کے اندر چلا آیا -

ان فقروں میں بادجود اس - بغیر کسی - بحیثیت ایک - بقول تمہارے مع جوتے تمام اضافتیں اصول کے خلاف ہیں - یہ فقرے اس طرح ہونے چاہئیں -

اس قدر کوشش کے باوجود میں کامیاب نہ ہو سکا -
کسی رکاوٹ کے بغیر آپ وہاں پہنچ جائیں گے -
ایک خادم کی حیثیت سے زید کا فرض تھا -
تمہارے قول کے مطابق اس کا یہی رویہ ہے -
وہ جوتے سمیت اندر چلا آیا -

فارسی اضافت کے بعد اُردو اضافت

بعض لوگ فارسی اضافت کے باوجود اردو اضافت لگاتے ہیں جو اصول کی رُو سے درست نہیں۔

بحیثیت ملازم کے اس کا یہ کام تھا۔
اس نے بحیثیت معتمد کے دستخط کئے ہیں۔
وہ معہ پاپوش کے فرش پر چلا آیا۔
بقول سعدیؒ کے زندگی گزر رہی ہے۔

ان فقروں میں "کے" کی اضافت زائد ہے۔ یہ یوں ہونے چاہئیں۔

بحیثیت ملازم اس کا یہ کام تھا۔
اس نے بحیثیت معتمد دستخط کئے ہیں۔
وہ مع پاپوش۔ فرش پر چلا آیا۔
بقولِ سعدیؒ زندگی گزر رہی ہے۔

تکرارِ اضافت

تکرارِ اضافت بھی بار سماعت ہونے کے علاوہ مطلب خبط کر دیتی ہے۔ مثلاً

عشق کا نغمہ عاشق کے گوش کا فردوس ہے۔

یہ اضافتیں بارِ سماعت ہیں۔ اور مذاق سلیم کے لئے زحمت بھی۔ اس لئے اس قسم کی اضافت کے استعمال کو سلیقہ درکار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اضافت کو ترک کر دیا جائے۔ بلکہ فقرہ میں تکرار کی بھرمار نہ ہو۔ اور اردو فارسی اضافت سے اعتدال پیدا کر لیا جائے۔ مثلاً

معشوق کی زلف کی درازی کا جواب کہاں۔

اس کو اس طرح ڈھالا جائے۔

زلفِ معشوق کی درازی کا جواب کہاں

یا

درازیٔ زلفِ معشوق کا جواب کہاں

شعراء نے ایک مصرع میں تین اضافتیں جائز قرار دی ہیں مگر مذاق سلیم اور سلیقہ پہلی شرط ہے

ع مجھے طوفِ حرم کی آرزو کیوں ہو کہ رہ میرا
سرکوئے بتاں تک ہے۔ درِ پیرِ مغاں تک ہے — حسرت موہانی

اضافتِ زائد

سوائے - بجائے

ادیب اور انشاء پرداز ہی نہیں بلکہ نقادانِ ادب "سوائے اس کے" اور "بجائے اس کے" بے تکلف لکھتے ہیں - مثلاً

میں بازار کی بجائے گھر چلا گیا ۔

مجھے کالج کے بجائے میٹنگ میں لے گئے ۔

وہاں حکیم صاحب کے سوائے سب موجود تھے ۔

ان فقروں میں "کی" "کے" زائد ہیں - کیونکہ "بجائے" اور سوائے میں آخری "ے" حرفِ اضافت ہے - ان فقروں کو یوں لکھنا چاہئے ۔

میں بجائے بازار گھر چلا گیا ۔

مجھے بجائے کالج میٹنگ میں لے گئے ۔

سوائے حکیم صاحب سب موجود تھے ۔

اس کے علاوہ لوگ یہ غلطی اس صورت میں بھی کرتے ہیں کہ "سوا" اور "بجا" جو فارسی لفظ

ہیں۔ اور فارسی اضافت سے صرف عربی فارسی الفاظ کے ساتھ استعمال ہو سکتے ہیں۔ یا اسم معرفہ میں لگ سکتے ہیں۔ انہیں اردو لفظوں کے ساتھ بھی لکھتے اور بولتے ہیں۔ مثلاً

بجائے آپ کے میں دعوت میں چلا گیا۔

سوائے ان کے اور کوئی موجود نہ تھا۔

حالانکہ انہیں یوں لکھنا اور بولنا چاہئے۔

آپ کی جگہ میں دعوت میں چلا گیا۔

ان کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔

تحریر میں جہاں "کی جگہ" "کے عوض" "کے بدلے" لکھنا ہو۔ وہاں "بجائے" لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال چاہئے کہ بجائے اور سوائے کے بعد فارسی یا عربی لفظ اسمِ معرفہ ہو۔ اور اس کے بعد اردو حرفِ اضافت کا۔ کے۔ کی میں سے کوئی نہ آنے پائے۔

وہ بجائے شام دوسرے دن آئے

سوائے سیّار سب ستارے ساکن ہیں۔

یہ دونوں فقرے درست ہیں۔ اور

سوائے دلّی باقی سب شہر پُرامن ہیں۔

سوائے کلکتہ ہر اسٹیشن پہ اشتراکی جماعتیں ہیں۔

ان دونوں فقروں میں بجائے کا استعمال صحیح نہیں۔ یہ اس طرح ہونے چاہئیں۔

دلّی کے سوا باقی تمام شہر پُرامن ہیں۔

کلکتہ کے سوا ہر اسٹیشن پر اشترا کی جماعتیں ہیں۔

یعنی اردو الفاظ کے ساتھ اردو اضافت کا استعمال درست ہے۔ ہاں کبھی کبھی اردو میں بجائے کی جگہ "جا" استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ بعض وضاحت قائم رہتا ہے

پرسش کو نکیرین کی جا آئیں گی حوریں
عشق کا نغمہ عاشق کے گوش کا فردوس ہے

لیکن عموماً یہ بدعت اشعار میں روا سمجھی جاتی ہے۔

فارسی ترکیب کے بغیر جمع

بہت سے لوگ فارسی ترکیب کے بغیر اردو میں

عہدہ دار	سے	عہدہ داران
ملازم	"	ملازمان
پس ماندہ	"	پس ماندگان
مصیبت زدہ	"	مصیبت زدگان

وغیرہ جمع بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اردو میں انہیں اس طرح لکھا جا سکتا ہے۔

مثلاً:-

عہدہ دار	سے	عہدہ داروں
ملازم	"	ملازموں
پس ماندہ	"	پس ماندوں
مصیبت زدہ	"	مصیبت زدوں وغیرہ

مولّد الفاظ کی جمع

جو عربی الفاظ اردو میں ہیں۔ وہ مولّد ہیں۔ تو ان کی جمع اردو طریق پر ہی ہونی چاہئے۔ مثلاً

عارفاں کا مزاج بھی عارفانہ ہوتا ہے۔

اس پر ہزاروں عاشقاں کی نظر ہے۔

حسیناں کا مجمع حیران رہ گیا۔

مہوشاں کی محفل میں یہی ہوتا ہے۔

دیوانے کا پتہ غزالاں سے پوچھوں گا۔

سرکشاں کا گروہ حکومت کرتا ہے۔

بتاں کا مزاج نہیں ملتا

تمام فقروں میں مندرجہ بالا الفاظ کی جمع خلافِ قاعدہ ہے۔ یہ اردو طریق سے عاشقوں۔ حسینوں۔ مہوشوں۔ سرکشوں۔ غزالوں اور بتوں ہو تو جزوِ انشا ہے۔ ورنہ نقصِ انشا۔

لیکن خیال رہے کہ مولّد الفاظ میں فارسی اضافت بے جوڑ سی چیز ہے۔ اس لئے جب فارسی اضافت ضروری ہو گی تو الفاظ اپنے اصل قاعدہ کی رو سے استعمال ہوں گے۔ مثلاً خیالِ بتوں نہیں خیالِ بتاں اور خوئے عاشقوں نہیں "خوئے عاشقاں" درست سمجھا جائے گا۔

مونث اسمأ کی جمع

وہ مونث اسمائجن کے آخر علامت تانیث "ی" ہو ان کی جمع بناتے وقت "ان" بڑھا دیا جاتا ہے ۔ مثلاً

بکری	سے	بکریاں
زندگی	"	زندگیاں
مچھلی	"	مچھلیاں
مستی	"	مستیاں
دفلی	"	دفلیاں
جھونپڑی	"	جھونپڑیاں
سرکی	"	سرکیاں
ٹوپی	"	ٹوپیاں
لڑکی	"	لڑکیاں

لونڈی	سے	لونڈیاں
قفلی	"	قفلیاں

لیکن جب آخر حرف "ی" نہ ہو تو "یں" بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے

بھیڑ	سے	بھیڑیں
چلم	"	چلمیں
کنیز	"	کنیزیں
صف	"	صفیں
خلیج	"	خلیجیں
جھیل	"	جھیلیں

بعض لوگ بکری کی جمع بکریئیں ۔ لکڑی کی جمع لکڑیئیں ۔ چرخی کی جمع چرخیئیں ۔ لڑکی کی جمع لڑکیئیں وغیرہ کہتے ہیں ۔ وہ غلط ہیں ۔

جس اسم کے آخر الف یا واؤ ہو۔ اس کی جمع میں یائے مجہول اور نون غنہ سے پہلے ہمزہ بھی زیادہ کیا جائے گا ۔ مثلاً :۔

خوشبو	سے	خوشبوئیں
آنسو	"	آنسوئیں
بلا	"	بلائیں
ندا	"	ندائیں

ہوا	سے	ہوائیں
گھٹا	"	گھٹائیں
فضا	"	فضائیں

لیکن چڑیا - ڈبیا - گڑیا - پڑیا - وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں - ان کی جمع میں صرف نون زائد ہو گا - جیسے :-

چڑیا	سے	چڑیاں
ڈبیا	"	ڈبیاں
گڑیا	"	گڑیاں
پُڑیا	"	پُڑیاں

وغیرہ وغیرہ

"ہیں" سے پہلے مؤنث افعال

وہ مؤنث افعال جو "ہیں" سے پہلے آئیں - وہ جمع ہونے کے باوجود واحد لکھے جاتے ہیں - مثلاً :-

وہ بکریاں چر رہی ہیں -

وہ بھیڑیں جا رہی ہیں -

وہ عورتیں سو رہی ہیں

گاڑیاں چل رہی ہیں -

مرغیاں پل رہی ہیں -

ان کی جگہ

وہ بکریاں چر رہیں ہیں -

وہ بھیڑیں جا رہیں ہیں -

وہ عورتیں سو رہیں ہیں -

گاڑیاں چل رہیں ہیں -

مرغیاں پل رہیں ہیں -

سب کے سب قاعدے کی رو سے غلط ہیں -

جمع بجائے واحد

بعض اوقات جمع کو بطور واحد استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ ایک نقصِ انشا ہے۔ مثلاً

ایک لفظ کی تحقیقات کر رہا ہے۔

مجھے سب معلومات ہے۔

اس کی جگہ "ایک لفظ کی تحقیق" اور "معلوم ہے" کہنا درست ہوگا۔

ضعفِ تالیف

فصاحتِ کلام وہ وصف ہے۔ جو قاری اور سامع کے ذہن یا نفسی اور متکلم کے ذہن کو قریب ترین کر دیتا ہے۔ اور جو عبارت نظر یا آواز کے ساتھ ذہنی قربت کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ ہرگز فصیح عبارت نہیں۔ اور فصیح نہ ہونے کے کئی اسباب ہیں جن کے مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک ضعفِ تالیف بھی ہے۔ یعنی تحریر میں الفاظ کو اپنے اصل مقام سے ہٹا کر لکھنا یا علامت فاعل کو فاعل سے دور کر دینا یا فصحاء کے استعمال کے خلاف ترکیبیں جزوِ تحریر بنانا ضعفِ تالیف کہلاتا ہے۔ مثلاً:۔

آپ گئے تھے سکول میں، ماسٹر نے آپ کو بلوایا تھا۔

عمر آپ کے دفتر میں ملازم ہے۔ کے ہاتھ مزدور کا دفتر کے کاغذات بھیج دیں۔

منشی عبدالرحیم صاحب جو ہمیں تیسری جماعت میں پڑھاتے تھے۔ نے ہمیں اتنا پڑھا دیا تھا کہ اب تک کام دے رہا ہے۔

وہ بات مجھے حاصل ہے کہ ناز کرتا ہوں تقدیر پر۔

یہ گاڑی جائے گی پالم پور کے اسٹیشن سے گزر کر۔

ان تمام فقروں میں ضعفِ تالیف ہے۔ کیونکہ الفاظ برمحل نہیں تمام الفاظ اپنے مقام سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یہ فقرے صحیح اس طرح ہوں گے:۔

ماسٹر نے آپ کو بلوایا تھا۔ آپ اسکول گئے تھے۔

عمرو کے ہاتھ جو آپ کے دفتر میں ملازم ہے۔ دفتر کے ضروری کاغذات بھیج دیں۔

منشی عبدالرحیم نے جو تیسری جماعت کو پڑھاتے تھے۔ ہمیں اتنا پڑھا دیا تھا۔ جو کہ اب تک کام آ رہا ہے۔

مجھے وہ بات حاصل ہے کہ تقدیر پر ناز کرتا ہوں۔

اس کے علاوہ ہندی مضاف۔ مضاف الیہ یا معطوف معطوف الیہ بنانا بھی ضعفِ تالیف ہے:

جیسے :۔ مہینہ ساون۔ موسم بہت جیٹھ۔ دن بدن۔
گھڑی بہ گھڑی۔ دست و پاؤں۔ کان و ناک وغیرہ

سلاست اور فصاحت

معانی اور مطالب کو ذہن سے قریب تر کرنے کے لئے کلام میں کئی وجوہ ہوتے ہیں۔

۱۔ درجہ افہام تفہیم کا ہے۔ یعنی جس سے تحریر اپنا مافی الضمیر قاری کو سمجھا سکے یا قاری سامع کے ذہن نشین کر سکے۔ اس کا نام ہے سلاست یعنی الفاظ ایسے ہوں جو مطلب کو آسان لفظوں میں دوسرے تک پہنچادیں۔

۲۔ لطف اندوزی یا تلذذ۔ یعنی سننے یا پڑھنے والے کو لطف آجائے۔ خواہ معانی کی پہنائی کے اعتبار سے خواہ الفاظ کے حسن یا حسن ادا سے۔

۳۔ تاثر۔ یعنی کلام میں ایک ایسی روح ہو جو ایک ذہن کو دوسرے ذہن سے بیعت کرادے اور ایسی قربت بخش دے کہ دونوں کا نقطۂ نظر ایک ہی ہو جائے۔ اور یہی اصل میں فصاحت ہے۔
تاثر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک روحانی اور ایک جسمانی۔ روحانی تاثر کے تحت مذہبی عقائد، مصیبت زدوں کے حالات و واقعات۔ ظالموں کے ظلم و ستم، پست آدمیوں کے بلند کردار اور بلند آدمیوں کی ذہنیت آتی ہے۔

جسمانی تاثر: ۔ اس میں رقص و سرود کی محفلوں کے مرقعے، بہاروں کے مناظر کی عکس کشی عطیات و عنایات کے غیر معمولی واقعات، مرغوبوں کی عکاسی، لذیذ اور مزیدار چیزوں کو دیکھنا، سننا اور پڑھنا۔ چاند، سبزہ اور حسن کے متعلق مطالعہ و مشاہدہ سب جسمانی تاثر

سے متعلق ہیں۔

جسمانی تاثر میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیتابی اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ خواہ وہ محبت اور پیار کی صورت میں ہو یا غصہ اور عداوت کی شکل میں۔ نشہ کی کیفیت میں ظاہر ہو یا خمار کی اعضا شکنی میں۔ اور یہ تمام چیزیں دیرپا نہیں ہوتیں۔

روحانی تاثر یہ دیرپا ہوتا ہے۔ سکون اور اطمینان اس کے اجزائے ضروری ہیں۔ چاہے وہ ممنونیت اور احسان مندی کے لباس میں ہو یا فکر و عمل کے روپ میں۔ عبودیت کا جذبہ ہو یا فرض شناسی کا۔

روحانی تاثر ہو یا جسمانی دونوں جذبے ایک ہی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک ذرا کم دوسرا ذرا زیادہ۔ یہ دونوں پہلو نفسیاتی۔ مذہبی اور فلسفیانہ طور پر بے حد وسعت رکھتے ہیں۔ یہی خصوصیت کلام میں فصاحت نام پاتی ہے۔ اور خلاف جو بھی ہے۔ وہ نقص فصاحت میں شمار ہے۔ جہاں اور عیب ہیں وہاں ایک عیب تعقید بھی ہے جو معانی اور مطالب میں گنجلک ڈال دیتا ہے۔ اور سننے والے کا ذہن بھٹک بھٹک کر معانی تک پہنچتا ہے۔

تعقید

ضعف تالیف کی طرح اس سے بھی تحریر کا حسن جاتا رہتا ہے۔ اُردو قاعدے کے مطابق تحریر میں پہلے فاعل پھر مفعول اور سب سے آخر میں فعل آتا ہے۔ جیسے :۔

میں کپڑا پہنوں گا

میں کھانا کھاؤں گا

بشیر موٹر چلائے گا

لیکن اگر ان فقروں کی جگہ یوں لکھ دیا جائے :۔

کپڑا پہنوں گا میں　　کھانا کھاؤں گا میں　　موٹر چلائے گا بشیر

تو یہ تعقید ہوگی۔ تعقید کی بعض بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بادی النظر میں نمایاں نہیں ہوتیں مگر عیب ضرور ہے مثلاً :۔

۱۔ میں ایک ٹوٹے پھوٹے گاؤں کی چوپال میں سویا

۲۔ ہزار کوشش کی مگر کچھ میری سمجھ میں نہ آیا

۳۔ یہ کیا گھوڑا تیز رفتار ہے۔

۴۔ وہ راستہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر طے کرے گا۔

۵ بچے تمام سر جھکائے ماسٹر کے سامنے کھڑے تھے۔

ان تمام فقروں میں تعقید ہے۔ یہ صحیح فقرے اس طرح ہونگے :۔

میں گاؤں کی ایک ٹوٹی پھوٹی چوپال میں سویا۔

ہزار کوشش کی مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

یہ گھوڑا کیا تیز رفتار ہے!

وہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر راستہ طے کرے گا۔

تمام بچے ماسٹر کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔

نثر کے علاوہ تعقید کا عیب نظم کو بھی خراب کر دیتا ہے۔ نظم میں اس کی کھپت ضرور ہے۔ کیونکہ اگر نظم میں تعقید کا سختی سے خیال رکھا جائے تو شعر کہنا دشوار ہو جائے۔ اس لئے اس کی دو صورتیں ہیں جلی اور خفی

تعقید خفی۔ لامعلوم سی تعقید اور خفیف سے رد و بدل کو کہتے ہیں جو جائز قرار دے لی گئی ہے مثلاً:۔

ع جوانی کسی کی لڑکپن کسی کا

اب ضرورت شعری نے تعقید روا رکھی ہے۔ ورنہ مصرع یوں ہونا چاہیے:۔

کسی کی جوانی کسی کا لڑکپن

تعقید جلی وہ ہے جو سماعت پر بار گزرے اور مذاق سلیم کو ناگوار ہو۔ شعر کی نثر دقت سے ہو اور رد و بدل سے فہم ٹھوکریں کھانے لگے۔ مثلاً:۔

شق ہے لوحِ مزار ہونے کو
ہے کسی کا گزار ہونے کو (سالک دہلوی)

اس کی نثر کریں گے تو الفاظ کہیں کے کہیں جمانے پڑیں گے۔ لہٰذا اس قسم کی تعقید عیب ہے اور تعقید جلی کہلاتی ہے ؀

حشو و زوائد

حشو اُس کلمہ کو کہتے ہیں جس کے نہ ہونے سے متکلّم کے عندیہ میں فرق نہ آئے اور مقصد پورا ہو جائے۔ حشو و زوائد اکثر کلموں کے ساتھ ایسے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ اُن کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور ان سے اصل لفظ کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل خط کشیدہ الفاظ کے ساتھ حشو کی غلط آمیزش پر غور کر کے احتیاط برتیں:۔

وہ بڑا حاتم ہے

بعض وجوہ کے سبب سے

وہ بہت مکمل ہے

پروگرام متعینہ

وہ میرے خلاف کارروائی کرنے کی فکر میں ہے

جب کبھی بھی وہ میرے پاس آتا ہے

تم واپس لوٹ کر آ گئے

ان کے ذمّے پچھلا بقایا ہے

ویسا ہی جول کا توں گھر آ گیا

چاقو نکال کر کے دکھایا

اُس نے اپنے دل میں سوچا

جو لاہور میں ہے کسی دوسرے شہر میں نہیں

بعض زائد الفاظ اس طرح استعمال ہوتے ہیں کہ ان کے زائد ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا لیکن ان کا استعمال عیبِ فصاحت ضرور ہے۔ مثلاً: ۔

وہ عورت زرد رنگ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی

ماسٹر صاحب کالے رنگ کا لحاف اوڑھے بیٹھے تھے

تم نے چتلے رنگ کی بکری کیوں خرید لی

وہ بازو پر نیلے رنگ کا ڈورا باندھ کر آ گیا

ان چاروں فقروں میں "رنگ کا" زائد ہے۔ اس کے حذف سے فقرے کس قدر صاف ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ۔

وہ عورت زرد دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی

ماسٹر صاحب کالا لحاف اوڑھے بیٹھے تھے

تم نے چتلی بکری کیوں خرید لی

وہ بازو پر نیلا ڈورا باندھ کر آ گیا

شترگربہ

اگر ایک ہی چیز کو واحد بھی لکھا جائے اور جمع بھی۔ تعظیم سے بھی یاد کیا جائے اور تذلیل سے بھی تو اس عیب کو "شترگربہ" کہتے ہیں۔ یہ نظم اور نثر کا مشترکہ عیب ہے۔ مثلاً:۔

میں نے انہیں آواز دی تو وہ گھر سے نکل آیا
میں نے اسے حکم دیا۔ وہ تعمیل میں اٹھ کر چل دیئے
تمہارے کام تو ہی جانے
ہم آپ سے ملنے آئے مگر تم گھر پر نہیں تھے

ے

آپ جب آئے تو بیمارِ محبت ہنس پڑا
تم جب اٹھے پاس سے زیر و زبر دنیا ہوئی

ے

مجھ سے وہ جب سے گئے ناراض ہو کر ہم نشیں
اپنے گرد و پیش اک محشر بپا پاتے ہیں ہم

مندرجہ بالا اشعار اور فقروں میں شترگربہ ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے۔

عیبِ تنافر

یہ خیال نظم کا ہے۔ لیکن اس کا خیال نثر میں بھی رکھا جائے تو اچھا ہے۔ ایسا کرنے سے تحریر میں سلاست پیدا ہو جاتی ہے۔

جو پہلے لفظ کا حرف آخر ہو اور وہی دوسرے لفظ کا حرف اوّل آ جائے تو تنافر پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ پہلے لفظ کا حرف آخر کاف کلمن اور دوسرے لفظ کا حرف اوّل قاف قرشت ہو۔ یا دوسرے لفظ کا پہلا حرف کاف کلمن اور پہلے لفظ کا آخری حرف قاف قرشت ہو۔ تب بھی تنافر عائد ہو جاتا ہے۔ اس لئے احتیاط لازم ہے۔ مثلاً:۔

انصاف فقط عدالت تک ہے

تم وہی ہو نا؟

ہمیں ان کے غصّے پہ پیار آتا ہے

عشق کے انجام میں رسوائی ہے اور کچھ نہیں

بڑھتے بڑھتے محبت تا بہ رسوائی گئی

خط کشیدہ فقروں میں عیب تنافر ہے۔ مگر بعض مرکّب الفاظ ایسے ہیں جنہیں تنافر سے امان نہیں ملتی۔ مثلاً:۔

سررشتہ۔ کارروائی۔ قائم مقام وغیرہ

نقصِ غرابت

تحریر و تقریر میں نامانوس لفظ کا استعمال نقص غرابت کہلاتا ہے۔ بعض لوگ غرابت کو ندرت خیال کرتے ہیں اور بعض ندرت کو غرابت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے اس کی جانچ کا معیار صرف ذوقِ سلیم ہے۔ اب چند مثالیں غرابت کی دیکھئے :۔

۱۔ راستے میں سیب زمینی کے کھیت دور تک نظر آرہے تھے۔

نئی فارسی میں آلو کو سیب زمینی کہتے ہیں جس سے عموماً لوگ آگاہ نہیں۔ اس لئے سیب زمینی کی جگہ "آلو" ہی بہتر ہے۔

۲۔ گاندھی جی نے مقاطعہ جوعی پر کمر باندھ لی۔

مقاطعہ جوعی کی جگہ "بھوک ہڑتال" عام فہم ہے۔

۳۔ چاروں سے برقیہ پر برقیہ آرہا ہے۔ اس برقیہ کی جگہ تار کا لفظ عام فہم بھی ہے اور کثیر الاستعمال بھی۔

۴۔ سب لوگ خوشی سے اٹھے اور میثاق باہمی پہ دستخط کر دیئے۔

۵۔ ابھی قرطاس ابیض تشنۂ حکم تھا۔

دونوں فقروں میں وہی غرابت کا نقص ہے اور غیر مانوس الفاظ کو حسن قرار دیا ہے یہ فصاحت ہرگز نہیں۔ دوسرے فقرے میں فارسیت اور اغلاق دونوں کھوٹ ہیں۔ اگرچہ آج کل مغلق الفاظ کا استعمال زیادہ ہے۔ لیکن یہ کوئی حسن نہیں بلکہ نا واقفیت ہے زبان سے اور تقلید ہے متقدمین کی ؛

تکرارِ الفاظ

نثر یا نظم میں الفاظ کی تکرار بڑے سلیقہ کا کام ہے۔ بعض اوقات تو یہ تکرار قبیح ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ حسین۔ دونوں مثالیں درج ہیں۔ مثلاً:۔

ایک گاؤں کے ایک محلہ میں چوپال کے پاس ایک آدمی ایک امیر کا باورچی تھا

آپ کے مکان کے نزدیک رستے کے پاس آپ کے دوستوں کے کئی عزیزوں کے مکان سڑک کے دونوں طرف چلے گئے ہیں۔

آپ کی وجہ سے مجھ غریب کی مدتوں کی ادبی عظمت گستاخی کی نذر ہو گئی۔

مشاعرے میں بیٹھے بیٹھے شاعروں میں آپس ہی میں چل پڑی۔ ذرا سی دیر میں تو تو میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔

ان سے نہیں ان کے والد سے مل کر مدرسے جاؤ اور ماسٹر کو اندر سے بلا کر اس سے پوچھو۔

ان کے مکان کے سامنے کا رقبہ ان کے مکان کے برابر نہیں۔

مندرجہ بالا فقرات میں تکرار قبیح ہے۔ یہ تحریر و تقریر میں عیب پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے۔

اب مناسب حسین اور پُرلطف تکرارِ الفاظ درج ہے۔ جس میں تکرار نے زور پیدا کر دیا ہے۔ مثلاً:۔

باغوں میں بہار آئی ہے اور آتی رہے گی

بُرے آدمی اچھے لوگوں کو بھی بُرے خیال کرتے ہیں

اور اچھوں کو سب اچھے نظر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا فقروں میں تکرار زیبا ہے۔ جو ذوق سماعت پر گراں نہیں بلکہ ایک لطف پیدا کر رہی ہے۔

تکرارِ الفاظ جب اس طرح واقع ہوتی ہے کہ ایک لفظ کے بعد دوسرا وہی لفظ ہوتا ہے۔ تو اسے "تکرارِ الفاظ متصل" کہتے ہیں اور وہ حسین ہوتی ہے کیونکہ وہ عموماً محاورہ سے تعلق رکھتی ہے مثلاً:-

میری جاں کبھی کبھی، ادھر بھی آیا کرو

کیسی کیسی مصیبتیں اُٹھائی ہیں

نئی نئی ترکیبیں سوجھی ہیں۔

اچھی اچھی باتیں سننے میں آتی ہیں

باتوں باتوں میں لڑائی ہو گئی

رات رات بھر جاگتے رہے

کئی کئی دن فاقہ کیا۔

قسموں پر قسمیں دیں

میں نے ہزار ہزار باتیں سنیں اور خاموش ہو گیا

اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے

الفاظ کی کمی

ضرورت شعری کے باعث قدیم شعرا بعض بعض الفاظ میں کچھ کمی کر دیتے ہیں جو بعض اوقات تو عیب ہوتی ہے اور بعض اوقات حسن۔ مثلاً:۔

تیرے وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

اس مصرع میں "خدا" کی جگہ "خدا" استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی الفاظ ہیں۔ مثلاً:۔

بول بول کر	کو	بول بول	خوشبودار	کو خوشبو
کہہ کہہ کر	"	کہہ کہہ	چوٹیں	" چٹیں

عالم الغیب کے سوا کو عالم الغیب سوا

وغیرہ سب نارما۔ اور متروکاتِ قدیم میں داخل ہیں۔ اب ان کو اس طرح کوئی استعمال نہیں کرتا۔ لیکن نثر میں کہیں کہیں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ مثلاً:۔

بول بول کر پہاڑے یاد کرو

آوازیں دے دے کر جگا دو

اسی طرح اگر خوشبو بمعنی خوشبودار نہیں تو خوشخو کے معنی اچھی عادت والا کیوں ہیں۔ یا خوش مزاج کے معنی اچھی سیرت والا کیوں ہیں۔ اسی ضمن میں خوش بخت۔ خوش خلق۔ خوش کلام خوش پوش خوش کام۔ خوش باش تمام الفاظ آجاتے ہیں۔ لیکن عالم الغیب کے سوا، کسی جگہ "عالم الغیب سوا" اور "چوٹیں" کی جگہ "چٹیں" قابلِ استعمال نہیں ؎

مخالفتِ قیاسِ لغوی

کسی کلمے کا قاعدے محاورے اور موقع کے خلاف استعمال اور مبنی کے بارے میں اصول کی خلاف ورزی مخالفتِ قیاسِ لغوی میں شمار ہے۔ نظم اور نثر میں کران کی تعداد تین تک پہنچتی ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف نثر کی مثالیں پیش کرتے ہیں: ۔

"براہِ کرم میری سہ روزہ رخصت منظور فرمائی جائے"

اس میں "سہ روزہ رخصت" کی جگہ تین روز کی رخصت لکھنا چاہیے۔

"انہوں نے روپیہ ادا کرنے میں پس و پیش کی"

"اس میں پس و پیش کی" کی جگہ پس و پیش کیا ہونا چاہیے۔

"جس جذبے نے یہ شعر نکلوایا"

اس میں "شعر نکلوایا" کی جگہ "شعر کہلوایا" ہونا چاہیے۔

"یہ شعر ایک مستقل داد و تحسین کا مستحق ہے"

داد و تحسین کا مستقل اور غیر مستقل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

"مہاجرین کیمپ میں کئی ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے"

اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کیمپ کے آدمی کئی ہزار کا سودا سلف خرید چکے ہیں۔

حالانکہ مفہوم یہ نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ "مہاجرین کیمپ پر کئی ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے"

یعنی مہاجرین کیمپ بنانے پر۔

اب دیکھیے کہ "میں" کی جگہ "پر" کے استعمال سے فقرہ کس قدر صاف ہوگیا ہے۔

" زادِ راہ ہو چکی اور بھوکے مرنے لگے "

اس میں زاد مذکر ہے۔ سفر کو مضاف الیہ کریں یا راہ کو۔

" شاعر تو وہ ہے جو ہر اصنافِ سخن پر حاوی ہو "

اس فقرے میں ہر کے ساتھ اصناف درست نہیں۔ ہر کے ساتھ ہمیشہ " اسمِ مفرد " لانا چاہیے اور اصناف جمع ہے صنف کی۔

" اگرچہ اور حصوں ملک میں بھی فاتحوں کا گزر ہوا "

اس میں " ملک کے اور حصوں میں " لکھنا چاہیے۔ لیکن اب اس قسم کی غلطیاں شاذ ہی ہوتی ہیں۔

" اس شہر میں نایابی کاپی نویس اور پریس مین ہے نہایت خراب چھپائی ہوتی ہے

اس میں پہلے نایابی کو کاپی نویس سے مضاف کیا۔ پھر ایک انگریزی کا لفظ ملایا۔

" اور " بڑھا دیا۔ جو خلاف قاعدہ ہے۔

" دنیاوی شان و شوکت کو تج کر شوجی کا ادنیٰ بھگتی بن گیا "

اس میں بھگتی کی جگہ بھگت لکھنا چاہیے تھا۔

" . . . نے اور اُن کے رفقاء نے موسئے پر سو دُرّے والی مثال صادق لائی "

اس میں لائی کے ساتھ " نے " علامت فاعل درست نہیں۔

"پھر نامعلوم بازار میں وہ کیوں چلے گئے"

نامعلوم کی جگہ "نہ معلوم" ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پھر وہ اس بازار میں کیوں چلے گئے جو نامعلوم ہے۔ یعنی عرصۂ ہستی سے باہر ہے۔

"یونہی گپ کرتے کرتے سو گئے"

صحیح زبان "گپ ہانکنا" ہے کرنا نہیں۔

"ان کے گھر جائیں مگر انہیں جگائیں مت"

جگائیں مت کی جگہ "نہ جگائیں" ہونا چاہیے۔

"لیکن ہم نے اس باب میں خاموشی اختیار کئے رکھی"

یہ فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا "لیکن ہم اس باب میں خاموشی اختیار کئے رہے"

"نیو مشرقی گارڈن میں آج کل بہار آرہی ہے"

نیو مشرقی گارڈن "نیو ایسٹرن گارڈن" کا مکمل ترجمہ نہیں۔ اس کی جگہ "جدید مشرقی باغ" یا "نیا پوربی باغ" ہونا چاہیے +

معمولی الفاظ کی جگہ بڑے الفاظ

روزمرہ اور تحریر میں اردو کے معمولی معمولی الفاظ کی جگہ عربی فارسی کے بڑے بڑے الفاظ کا استعمال بھی عیب فصاحت میں شمار ہے۔ مثلاً:۔

سانس لینے کے لئے جا نہ ملی
مجھے شب بھر نیند نہ آئی
ٹھنڈی باد کے جھونکے خوشگوار ہیں
میں ایک گام چلا تھا کہ بیٹھ گیا

مندرجہ بالا فقروں میں "جا" کو "جگہ"۔ "شب" کو "رات" "چشم" کو "آنکھ" "باد" کو "ہوا" اور "گام" کو "قدم" لکھنا اور بولنا چاہیئے۔

معنی سے بیگانہ الفاظ

بہت سے عربی فارسی کے الفاظ ایسے ہیں جو اُردو میں آکر اپنے اصل معنی سے ہٹ کر بہت دُور کے معنی دینے لگے ہیں۔ جیسے "عرصہ" بمعنی "میدان" لیکن اُردو میں یہ مدّت کے معنی میں مستعمل ہے۔ یا "محرم" وہ شخص جس سے نکاح جائز نہ ہو یا پردہ روا نہ ہو۔ لیکن اُردو میں "آگیا" کے معنی میں مستعمل ہے۔ یا رہائش اُردو کے مصدر رہنا سے فارسی اصول سے حاصل مصدر وضع کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ اصل قاعدہ کی رُو سے ان میں فارسی یا عربی اضافت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اپنے حقیقی معنی سے دُور جا پڑے ہیں لیکن اس خیال سے کہ لفظ عربی یا فارسی ہیں۔ اور مرتد ہو کر اپنے اصل معنی کا اقرار نہیں کرتے اور اساتذہ کے یہاں بے تکلّف مستعمل ہیں۔ اس لیے جو الفاظ اب تک ادب میں شامل ہو چکے ہیں۔ ان پر تو اضافت جائز سمجھی جائے اور آئندہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ اگر مستعمل الفاظ کو اصل قاعدے کے خیال سے غلط قرار دے دیا گیا تو اب سے ہزاروں کار آمد الفاظ غائب ہو جائیں گے۔ مثلاً رقعہ شادی۔ محرم رنگیں۔ غلطی رہائش و پیدائش۔ فوجداری۔ عدالت۔ عرصۂ انتظار۔ سرکار۔ نظام اور اسی قبیل کے بے شمار الفاظ ہیں۔

ایک اور بدعنوانی

اخباروں میں ایسی سرخیاں عموماً ملتی ہیں کہ " دولت نگر میں بلوہ ۲۵۰ اشخاص زخمی ہو گئے " اب دیکھیے پڑھنے والا بہ یک نظر اسے " ۲۵۵۰ اشخاص زخمی" پڑھے گا۔ اس لیے اس قسم کے الفاظ میں علامت وقفہ (۔۔) ضروری ہے اور اگر ترتیب انشا ہی سے درست کر دیا جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ مثلاً :-
" دولت نگر کے بلوہ میں ۲۵ شخص زخمی"۔ اس طرح بھی نقائص دور ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔ تو کچھ دنوں ہی میں ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ اس قسم کے فقروں میں خود بخود کوئی ایسی ویسی بات نہیں آنے پاتی ؟

انگریزی کی غلط تقلید

انگریزی میں ایک اصول یہ ہے کہ جب دو اسم ذات کسی صرفی تعلق کے بغیر واقع ہوں تو پہلا اسم صفت یا صفت نسبتی کے معنی دے گا۔ جیسے گولڈ انگریزی میں سونے کو کہتے ہیں اور چین زنجیر کو۔ لیکن جب ان دونوں کو ملا کر گولڈ چین کہیں گے تو اس کے معنی ہو جائیں گے "طلائی زنجیر" یا سونے کی زنجیر۔ اُردو میں اس قسم کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ لیکن اب بعض لوگ اُردو میں بھی ایسے لفظ لکھ جاتے ہیں۔ مثلاً: "حیدر آباد فوج نے ہتھیار ڈال دیئے" یا "دہلی فوج پس پا ہو گئی"۔ اس قسم کے تمام الفاظ غلط ہیں۔ اور ان سے احتراز لازم ہے۔ انہیں اس طرح کہنا چاہیئے: "حیدر آبادی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یا۔ دہلی کی فوج پسپا ہو گئی"

البتہ اسم علم میں علامت اسناد کی ضرورت نہیں۔ جیسے تاج گنج۔ تاج محل مظفر نگر لاہور کالج۔ الہ آباد ہائی کورٹ وغیرہ۔ کیونکہ ان میں ہر ایک مخصوص انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اپنا مثل خود ہے۔ اسی طرح اکبر۔ بابر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر۔ موسےٰ عیسیٰ وغیرہ سب کے سب اسم علم ہیں۔ کیونکہ یہ صرف ایک ذات سے متعلق ہیں۔ اگرچہ اکبر ثانی۔ عالم گیر دوئم۔ اور بابر سوئم کہا جا سکتا ہے لیکن انفرادی صورت میں یہ اپنی نسبت سے نہیں بھٹکتے ؛

انگریزی الفاظ عربی قاعدے سے

بعض حضرات انگریزی الفاظ کو عربی کے قاعدے سے جمع بناتے ہیں جو غلطی پر ہیں۔ مثلاً سکول سے اسکولات۔ ہسپتال سے ہسپتالات۔ انہیں چاہیے کہ انہیں اُردو قاعدے سے "سکولوں" اور "ہسپتالوں" جمع بنائیں۔ اور اگر انہیں جمع ہی بنانا ہے تو انگریزی کی جگہ عربی فارسی طریق پر جمع بنالیں۔ مثلاً :-

سکول کی جگہ مکتب کہیں اور مکاتب جمع بنالیں
ہسپتالوں کو شفاخانہ کہیں اور شفاخانہا جمع بنالیں
سکول کو مدرسہ کہیں اور مدارس جمع بنالیں

انگریزی۔ اُردو۔ ہندی الفاظ کی جمع جہاں تک ہو سکے اُردو طریق پر بنانی چاہیئے۔ فارسی طریقہ غلط ہے۔ جھگڑا کو جھگڑہا۔ ٹیبل کو ٹیبلہا۔ یا جُتا کو جتاہا کہنا بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ہزارہا۔ لکھو کہا اور کروڑہا وغیرہ غلط العام کے دائرے میں آگئے ہیں۔

سالہا

اگرچہ فارسی قاعدے کی رو سے سال کی جمع سالہا درست ہے اور سالہائے آئندہ اور سالہائے گذشتہ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ لیکن اُردو میں سالہا، شبہا کا استعمال درست نہیں بلکہ سالہا سال کہنا ہوگا۔ یا پھر سالہا کی جگہ "برسوں" استعمال کریں گے۔

انگریزی الفاظ کی جمع فارسی قاعدے سے

کبھی کبھی انگریزی الفاظ کی فارسی طریق سے جمع بنا کر اضافت لگادی جاتی ہے تو یہ دوہری غلطی ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "افسرانِ کمیٹی" اور "ممبرانِ کونسل" قسم کے بہت سے الفاظ غلط العام کی فہرست میں آجاتے ہیں۔ لیکن سپرنٹنڈنٹانِ پولیس۔ ہیڈ ماسٹرانِ اسکولات اور پلیڈرانِ ہائی کورٹ وغیرہ قسم کے الفاظ غلط بھی ہیں ثقیل بھی ناگوار بھی اور بارِ سماعت بھی ؎

انگریزی الفاظ میں اضافت

انگریزی الفاظ کے ساتھ بھی فارسی اضافت بے تکلف استعمال ہوتی ہے
مثلاً طلبائے کالج - ممبرانِ حلقہ - اراکینِ اسمبلی - ممبرِ انجمن ہندوستان - افسرِ اعلےٰ
داروغۂ جیل - وغیرہ وغیرہ -

اس میں شک نہیں - یہ اور اس قسم کے تمام الفاظ از روئے قواعد غلط ہیں -
لیکن یہ غلط العام کی فہرست میں آتے ہیں اور کثرتِ استعمال کے باعث ایک لفظ
دوسرے لفظ کا پیوند معلوم ہوتا ہے - اس لئے یہ تو بدستور رہیں مگر آئندہ کے لئے
احتیاط برتی جائے - کیونکہ یہ الفاظ اساتذہ کے یہاں ملتے ہیں اور اُردو زبان کا
تقاضا یہی ہے کہ ہر زبان کے لفظ کو جزو زبان کر لیا جائے - پہلے زبان ہے پھر گرامر
نہ کہ پہلے قواعد و ضوابط اور بعد میں زبان - ابھی ہمارے یہاں ترجمہ کی کمی ہے - اس
لئے جب تک غیر زبانوں کے اُردو ترجمے نہ ہوں - اس وقت تک حسین اور نغمہ آگین
الفاظ ہو بہو حالت میں جزو اُردو ہونے چاہئیں ؎

لغات الاصلاح
از:- احسان دانش
اردو زبان کے اُن پانچ ہزار ۵۰۰۰ غلط الفاظ کی تحقیق و
اصلاح جو روزمرہ، محاورات اور تقریر و تحریر کے
طول و عرض پر چھائے ہوئے ہیں۔
قیمت چار روپے
مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

نوائے کارگر: احسان دانش کی اس معرکہ آرا کتاب میں اُن کی وہ شاعری ہے جس کی آج ملک و قوم کو ضرورت ہے اس کی بیشتر درد انگیز نظموں میں نسوانی معاشرت کے بیمار پہلوؤں کی منظر کشی میں احسان سے اُس مقام پر نظر آتا ہے جہاں اس کا ہر لفظ اسکا شاہکار ہوتا ہے۔ قیمت، تین روپے آٹھ آنے

چراغاں: یہ کتاب بھی احسان دانش کی انہیں نظموں کا باقی سلسلہ ہے جو نوائے کارگر میں آئی ہیں کیونکہ اس میں بھی ورق ورق پر وہی حقیقی نقاشی وہی اخلاقی دیانت وہی جزئیات نگاری بول رہی ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ

آتشِ خاموش: اس کتاب میں نوائے کارگر اور چراغاں کی طرح آنسوؤں کا زیادہ حصہ نہیں بلکہ ایسی نظمیں ہیں جو فاقوں اور غمگینیوں کا نتیجہ کہلائی جا سکتی ہیں۔ اس کی ہر نظم میں شاعر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے سماج پر برستا ہے اور پڑھنے والے کا خون جوش کھانے لگتا ہے۔

قیمت دو روپے عہ

جادۂ نو: یہ کتاب ان جدید طرز کے قطعات کا مجموعہ ہے جس میں اس حساس شاعر نے سیکڑوں مختلف مناظر اور معاشرت کے خستہ پہلوؤں کو تشبیہی عمل سے چولی دامن کیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ احسان کو قدرت نے نقاشِ فطرت پیدا کیا ہے مگر یہ کتاب بھی اس کا ایسا شاہکار ہے جو اُسے تاریخ کے صفحات میں محترم رکھے گا۔ قیمت سوا روپیہ عہ

زخم و مرہم: یہ کتاب بھی قطعات کا مجموعہ ہے جس میں عموماً دیہاتی زندگی کے بیشمار مرقعے اس شان سے ملیں گے جو صحیح معنی میں جدید ادب کہلانے کے مستحق ہیں اور جن میں شوخی بھی ہے، اور معصومیت بھی، سادگی بھی اور پُرکاری بھی۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ عہ

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

شیرازہ: یہ کتاب بھی احسان دانش کی خصوصیات کی شاہد ہے مگر اس میں بیتے ہوئے دن" "صبح بنارس" اور "شام اودھ" جیسی اور بھی کئی نظمیں ایسی ہیں جو تاریخ ادب میں اب تک اپنا جواب نہیں رکھتیں نظموں کے علاوہ تقریباً نوے صفحات میں صرف غزلیات ہیں جو اس بات کی شاہد ہیں کہ احسان جہاں نظم بے مثال کہتا ہے وہاں غزل میں بھی اس کا ایک مقام ہے

قیمت دو روپے ۸ آنے

مقامات: اس مجموعے میں شاعر تفصیلی خوردہ گیری سے ہٹ کر سیاسی اسرار و رموز کی طرف مائل ہے اس کتاب میں ان کی ہر نظم تفصیل سے بے نیاز اپنی جامعیت مقصد اور مقام کیساتھ شاعر کی دلی تڑپ کی آئینہ دار ہے جسے احسان اپنی بے چھلکے کی شاعری بتاتا ہے۔

قیمت تین روپے

گورستان: یہ احسان دانش کی ایک طویل نظم ہے جو اس نے اپنی والدہ کی وفات سے متاثر ہو کر کہی ہے۔ اب ناظرین اندازہ لگائیں کہ اس غم نگار شاعر نے اس میں کیا کہا ہوگا۔ طرہ یہ ہے کہ آپ اس نظم میں ادب کا ہر پہلو پائیں گے۔

اس پر ڈاکٹر محی الدین زور پی-ایچ ڈی، شاہ معین الدین ندوی مدیر معارف مولانا سعید احمد اکبرآبادی، علامہ نیاز فتح پوری اور حضرت ابر احسنی نے جو مقدمات لکھے ہیں۔ ان میں ہر مقدمہ اپنی جگہ ایک مستقل مضمون ہے موت پر۔

قیمت۔ ڈیڑھ روپیہ عہ

نفیرِ فطرت: یہ مصنف کا وہ کلام ہے جو ان کی پہلی دو کتابوں "حدیث ادب" اور "درد زندگی" کی صورت میں شائع ہو چکا ہے اب اس میں جدید کلام کا اضافہ کر کے نفیرِ فطرت کے نام سے شائع کیا ہے۔

قیمت۔ اڑھائی روپے

خضرِ عروض

از حضرت احسان دانش - پنجاب اور سندھ کی لائبریریوں اور تعلیمی اداروں کے لئے منظور شدہ۔ یہ کتاب علم عروض کی ان باریکیوں اور پیچیدگیوں کا حل ہے جن میں مبتدیانِ شاعری بھٹکتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے معمولی تعلیم یافتہ انسان بھی مشکل سے مشکل بحر کی تقطیع نہایت آسانی سے کر سکتا ہے - قیمت صرف آٹھ آنے (۸/)

مشاطۂ سخن جلد دوم: از صفدر مرزا پوری۔ یہ کتاب اساتذۂ باکمال مصحفی، آتش، ناسخ، غالب، خواجہ وزیر، امیر، نسیم دہلوی، ذوق، وحید الٰہ آبادی، امیر جلال، تسلیم، داغ، جلیل، ریاض، نظم طباطبائی، درشوق قدوائی کی ان اصلاحوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً انہوں نے اپنے شاگردوں کے کلام پر دیں۔ یہ کتاب بیت سخن کے سلسلہ میں مبتدیوں ہی کے لئے نہیں بلکہ شاعر پیر کے لئے بھی مفید ہے۔ کیونکہ اس کے مطالعہ سے ناظرین زبان کی سلاست بول چال کی صفائی، اسلوب بیان اور شعری محاسن سے بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں اور یہی چیزیں لباس ہیں خیالات کا اور روح ہیں شعر و ادب کی۔ قیمت عہ مجلد ۲ روپے

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

زندگی کبھی افسانہ بن جاتی ہے اور کبھی افسانہ زندگی بن کر رہ جاتا ہے ——— آیئے اور

زندگی کے

جائزے

دیکھ کر غور کیجئے کہ آپ جسے افسانہ کہتے ہیں وہ تخیل کی پیداوار نہیں ہے بلکہ آپ کی اور آپ کے پاس پڑوس کی اور آپ کے گردوپیش کی جیتی جاگتی ہنستی کھیلتی، بولتی چالتی تصویریں ہیں

جن کو

سید ابو سعید بزمی ایم اے کے تخیل نے نہیں تجربہ اور مشاہدہ کی دوربین نے الفاظ کا جامہ پہنا کر کاغذی پردے پر اتار دیا ہے۔ آپ انہیں دیکھیں گے اور دوسروں کی نہیں خود اپنی زندگی میں کھو کر رہ جائیں گے۔ ان میں نام اور مقام سب فرضی ہیں لیکن واقعات فرضی نہیں۔ اگر آپ کے پاس فلسفۂ اخلاق، تاریخ اور مذہب کی دس پیچیدہ کتابیں پڑھنے کی فرصت نہیں ہے تو اڑھائی سو صفحے کی اس شگفتہ زبان میں لکھی ہوئی زندگی کے افسانوی قالب کا صرف پہلا صفحہ پڑھئے اور دیکھئے کہ پھر آخری صفحے تک کتاب آپ کے ہاتھ سے چھوٹتی ہے یا نہیں۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸)

مکتبہ دانش مزنگ لاہور